ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

# بچوں کا اسلام

روزنامہ اسلام

592 اتوار 21 ذی الحجہ 1434ھ مطابق 27 اکتوبر 2013ء

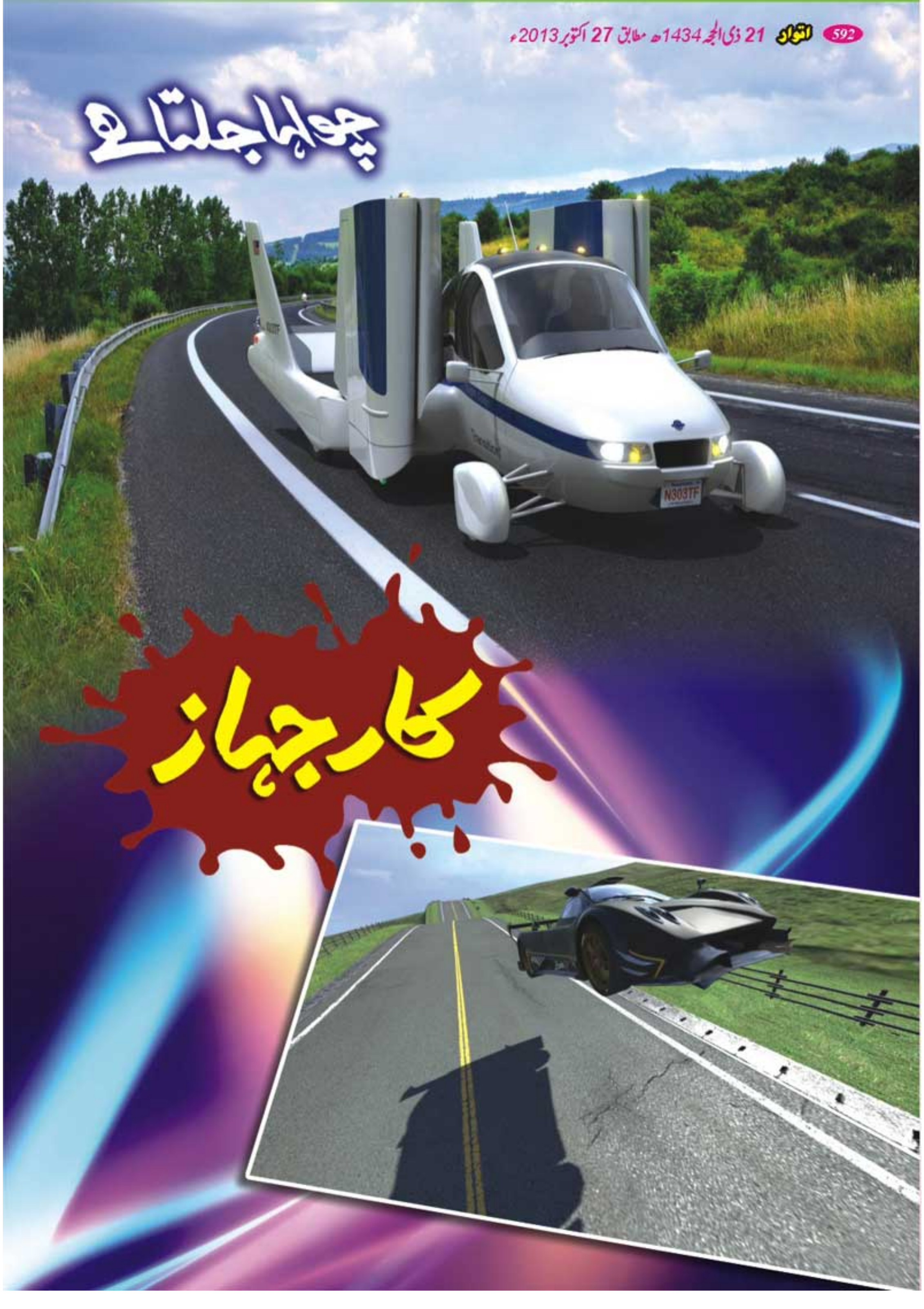

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## اس وقت تک

اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کرو گے۔ کہہ دو کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے اور تمہارے پاس (وحی کے ذریعے) جو علم آ گیا ہے، اگر کہیں تم نے اس کے بعد بھی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کر لی تو تمہیں اللہ سے بچانے کے لیے نہ کوئی حمایتی ملے گا، نہ کوئی مددگار! (سورہ بقرہ:120)

## برکت

حضرت صخر بن وداعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے اللہ! میری امت کے اول روز (دن کے پہلے حصے) میں برکت ڈال۔“

اور جب آپ کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر بھیجتے، اسے اول روز بھیجتے اور صخر اس حدیث کے راوی ایک تاجر شخص تھے۔ وہ اپنا مالِ تجارت اول روز بھیجا کرتے تھے، وہ مال دار ہو گئے۔ ان کا مال بہت زیادہ ہو گیا ہے۔

یعنی وہ دن کے اول حصے میں اپنا مالِ تجارت بھیجا کرتے تھے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے تھے۔

# دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ:

مجھ سے ایک سوال عام طور پر پوچھا جا رہا ہے... کیا بات ہے، آپ بچوں کا اسلام خصوصی نمبر بہت کم شائع کرتے ہیں... مثلاً کچھ مدت پہلے آپ نے بائیکاٹ نمبر شائع کیا تھا اور اس کے بعد خطوط نمبر... اب پھر خاموشی...

آپ کو پتا ہی ہوگا کہ خاموشی اچھی چیز ہے... میں تو آپ کو بھی خاموش رہنے کی نصیحت کرتا ہوں... یعنی اس قسم کے سوالات نہ ہی پوچھا کریں تو بہتر ہوگا... اب دیکھیے نا... خطوط نمبر شائع کیا... اس کے لیے بہت محنت کی... نادر قسم کے خطوط حاصل کیے، دوستوں کو تکلیف دی، خیال تھا... قارئین خوب پسند کریں گے... نتیجہ کیا نکلا، ڈھاک کے وہی تین پات...

آپ کہیں گے... یہ یہاں ڈھاک کے تین پات کہاں سے آ گئے... آپ جانتے تو ہیں، بات سے بات نکلتی ہے... اور جب بات سے بات نکلتی ہے تو ڈھاک کے تین پات کیوں نہیں نکل سکتے... بات ہو رہی تھی خطوط نمبر کی... تمام کے تمام قارئین نے اس بات کی بات کو بالکل ہی گول بلکہ چوکور کر دیا... اور لے کر بیٹھ گئے اس بات کو کہ اس میں اشتہارات کی بھرمار تھی... یہ خطوط نمبر نہیں تھا... اشتہارات نمبر تھا... اب جسے دیکھو... بس یہی لکھ رہا ہے... خطوط پر کوئی بات ہی نہیں کر رہا ہے... میں تو سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ یہ کیا ہوا... وہ خطوط جو میں نے بہت کوششوں سے حاصل کیے تھے... ان پر تو کسی کا دھیان ہی نہیں جا رہا ہے... دھیان جا رہا ہے تو صرف اشتہارات پر ہے کوئی تک... حالانکہ خطوط میں چند خطوط تو ایسے تھے کہ انھیں بار بار پڑھا جا سکتا تھا اور سر دھنا جا سکتا تھا... اور ایک خط پڑھ کر تو میں سر دھننے کے بجائے اپنے پورے وجود کو دھننے لگا تھا... میں نے ایک دوست سے ذکر کیا کہ آپ نے خطوط نمبر میں فلاں خط پڑھا... کہنے لگے... ہاں پڑھا ہے... میں نے کہا، ذرا اس خط کو ایک بار پھر پڑھ لیں... میرے کہنے پر انھوں نے خط کو پھر پڑھا اور مجھے فون کیا کہ واقعی ایک بار اور پڑھ کر پہلے سے بھی زیادہ مزہ آیا... تب میں نے ان سے کہا... آپ اس خط کو ایک بار اور پڑھیں... کہنے لگے... ابھی تو پڑھا ہے... میں نے کہا، ایک بار اور پڑھیں... آپ کو اور زیادہ مزہ آئے گا... انھوں نے پڑھا اور کہنے لگے... واقعی جتنی بار پڑھ رہا ہوں... اس کا مزہ بڑھتا ہی جاتا ہے...

میں نے ان سے کہا.. یہی حالت میری ہے....

آج بھی جب میں خطوط نمبر نکال کر اس خط کو پڑھتا ہوں تو بس کیا بتاؤں... کتنا مزہ آتا ہے... کہنے کا مطلب یہ کہ تمام قارئین اشتہارات کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے... جس سے کچھ بھی حاصل نہیں تھا.. اور جن چیزوں سے کچھ حاصل تھا.. اس طرف توجہ ہی نہ دی.. حد ہو گئی تھی...

تو جناب میں تو اس دن سے کوئی نمبر نکالنے سے گھبرانے لگا ہوں کہ اگر اس نمبر کو بھی زیادہ اشتہارات مل گئے تو میرا تو آپ لوگ کر دیں گے ناطقہ بند.. اب ناطقہ بند ہونے کے بعد آپ کو پتا ہے، انسان معمول کے مطابق کام تو کر سکتا نہیں.. لہٰذا اس سے یہ کہیں بہتر ہے... کوئی نمبر شائع نہ کرو اور اپنا ناطقہ کھلا رکھو.. ویسے سچی بات یہ ہے کہ مجھے معلوم ہی نہیں ناطقہ کہتے کسے ہیں.. بچپن کا پڑھا ہوا محاورہ.. اور بے چارہ محاورے کی حد تک ہی ہے.. آج ضرورت محسوس کر رہا ہوں.. ڈکشنری میں اس کا مطلب دیکھ ہی لوں.. جی ہاں! ان پڑھ جو ٹھہرا.. آپ کا واسطہ دراصل ان پڑھ مدیر سے پڑ گیا ہے.. اگر اس کی تفصیل معلوم نہیں کہ آپ میری کہانی پڑھ کر دیکھ لیں.. تو مجھے یہ خطاب کس نے دیا تھا اور کن حالات میں دیا تھا.. ویسے ان کا یہ خطاب سو فیصد درست تھا.. خود میری بھی اپنے بارے میں یہی رائے ہے.. ان دو باتوں کا اگر آپ کو کوئی سر پیر نظر نہ آئے اور یہ آپ کو سرے سے بے سری نظر آئیں تو اسے بھی ان پڑھ ہونے کی کرامت خیال کر لیجیے گا...

والسلام


سالانہ زرِ تعاون اندرونِ ملک: 600 روپے، بیرونِ ملک: 3700 روپے

خط کتابت کا پتہ

”بچوں کا اسلام“ دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983

بچوں کا اسلام انٹرنیٹ پر بھی: www.dailyislam.pk ای میل: bkislam4u@gmall.com

# نیوز چینل

محمد شاہد فاروق ۔ ایم اے ایم ایڈ ۔ پھلور

حسبِ دستور عادت سے مجبور اور مصروفیات سے چور ایک بار پھر حضور آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔ ہمارے مصروفیات کے رونے کو آپ کام چور عورتوں کی طرح بہانہ بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اپوزیشن (حزبِ مخالف) کی طرح آپ بیان بازی میں آزاد ہیں اور امریکہ کے ڈرون حملوں کی طرح آپ کوئی بھی بیان داغ سکتے ہیں اور ہم بے بس بلکہ لاچار حکومت کی طرح آپ کی صرف منت سماجت کر سکتے ہیں کہ ایسی بیان بازی سے باز آجائیں جس سے ہمارے دلی جذبات جاں بحق ہوتے ہیں مگر ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ امریکہ کی طرح آپ کے کان پر بھی جوں نہیں رینگے گی، بلکہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی بھی وقت آمنے سامنے کے میدان میں نیا میزائل داغ دیں گے۔ اس سے پہلے کہ آپ کاغذ قلم اٹھا کر نئے ڈرون حملے کی تیاری کریں، ہم نیوز چینل سے خبروں کا آغاز کر رہے ہیں۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق غیر حاضر دماغ نمایندے ملاوٹ کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے جس کے بعد ان سے سخت پوچھ گچھ کی گئی۔ تفصیلات کے مطابق چند شمارے قبل نیوز چینل میں اردو میں انگریزی کی ملاوٹ کرتے ہوئے انھیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا گیا اور فوری طور پر تفتیش شروع کردی۔ آن لائن تفتیش کے دوران مدیر صاحب نے غیر حاضر دماغ نمایندے کو کھری کھری سناتے ہوئے کہا کہ یہ جرم ایسے ہی ہے جیسے مہندی میں مرچیں ملا دی جائیں۔ ایسی ملاوٹ شدہ تحریر پڑھ کر بہت سے لوگ مرچیں چبانا شروع کر دیتے ہیں اور ہمیں ان کی سی۔سی روکنے کے لیے ہمدردی کی کوزہ مصری کھلانا پڑتی ہے۔

ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ بڑی عید کے قریب آتے ہی غیر حاضر دماغ نمایندے کی درجہ دوم کے قصائی کے عہدے پر ترقی کر دی گئی ہے۔ تفصیلات کے مطابق محمد عبدالعزیز لغاری اور محمد خالد جٹ آف روڈو سلطان پر مشتمل دو رکنی خود ساختہ بنچ کے فیصلے کے مطابق غیر حاضر دماغ نمایندے کو عمدہ غیر حاضر دماغی پر درجہ دوم کے قصائی کا درجہ دے دیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس بات کا اعلان بھی کر دیا گیا ہے کہ کھال اتارنے کا کام سیکھنے کے خواہش مند حضرات ان کی خدمات حاصل کریں۔ اس کام میں مہارت حاصل کرنے کے بعد انھیں عوام کی کھال اتارنے کے لیے مختلف محکموں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز کر دیا جائے گا۔ ہم قارئین کو بتاتے چلیں کہ فیصلہ سنانے والے جج حضرات نے اپنی کھال بچانے کے لیے درجہ اول کے قصائی کا نام ظاہر نہیں کیا ہے، لیکن ہمارے نمایندے کی خفیہ رپورٹ کے مطابق دو یا تین حضرات اس بڑے عہدے کے لیے مضبوط امیدوار ہیں اور اپنے قلمی چھرے تیز کر رہے ہیں۔

آخری اطلاعات کے مطابق ناصر رفیق آف بھکر نے دریا میں رہتے ہوئے مگر مچھ سے بیر (دشمنی) لے لیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق انھوں نے اچانک مدیر صاحب پر الزامات کی کلاشن کوف کا فائر کھول دیا۔ غیر حاضر دماغ نمایندے نے الزامات کی اس فائرنگ سے خوف زدہ ہو کر آنکھیں بند کر لیں، کیوں کہ انھیں یقین تھا کہ الزامات کی اس اندھا دھند فائرنگ کے نتیجے میں مدیر صاحب چھلنی ہو جائیں گے مگر اس وقت انھیں حیرت ہوئی جب مدیر صاحب اس الزاماتی فائرنگ سے صاف بچ نکلے اور ان کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ اس موقعے پر ہمارے غیر حاضر دماغ نمایندے نے تبصرہ کرنے کا فرض ادا کرتے ہوئے کہا کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ناصر صاحب وہ ہیں جن کا آخری وقت آتا ہے تو وہ شہر کا رخ کرتے ہیں، بلکہ یقیناً انھوں نے ٹیپو سلطان کے تاریخی جملے "گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے" پر عمل کرتے ہوئے یہ قدم اٹھایا ہوگا۔ اس وقت ہم صاف گوئی کے شدید بخار میں مبتلا ہیں اور کسی قسم کا لحاظ کیے بغیر ہم ناصر رفیق صاحب کو بتانا چاہتے ہیں کہ ان کی وکالت کر کے ہم اپنا مستقبل داؤ پر نہیں لگانا چاہتے۔ امید ہے کہ ہماری اس دستبرداری کے بعد علی عثمان صاحب کالا کوٹ پہن رہے ہوں گے، یعنی ناصر صاحب کی وکالت میں پورا نیوز چینل لکھ رہے ہوں گے۔

کھیل: ہمارے کھیلوں کے نمایندے کی رپورٹ کے مطابق اس وقت رائٹرز کے درمیان تبصروں کا سالانہ مقابلہ شروع ہو چکا ہے۔ تفصیلات کے مطابق تبصروں کا مقابلہ زور و شور سے جاری ہو گیا ہے۔ اس بار تمام تبصرہ نگاروں کی نظریں بچوں کا اسلام کے حاتم طائی پروفیسر اسلم بیگ صاحب پر لگی ہیں جنھوں نے گزشتہ سال اپنی تمام انعامی پونجی مقابلے میں شریک افراد پر لٹا دی تھی، امید ہے کہ اس بار بھی ان کی زنبیل نما جیب میں سے رائٹرز کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور برآمد ہو جائے گا۔ ادھر مدیر صاحب رؤیت انعام کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے ہزار روپیہ نظر آنے کا اعلان کر ہی چکے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی نیوز چینل ختم ہوا۔ اجازت دیجیے! اللہ حافظ!

## ضروری اعلان

نوٹ فرمالیں شمارہ نمبر 593 میں
بچوں کا اسلام کے مشہور ادیب
محترم ہاشین صاحب کا
انٹرویو شائع ہو رہا ہے۔ **(مدیر)**

## قربانی ہوگئی

میداں میں جونہی اونٹ کی قربانی ہوگئی
بچوں کی ساری فوج ہی دیوانی ہوگئی

وہ اونٹ تھا کہ گوشت کا کوئی پہاڑ تھا
یوں سارے خاندان کی مہمانی ہوگئی

قربان گاہ چل دیا مولیٰ کی راہ میں
یوں چال اور اونٹ کی مستانی ہوگئی

گردن جھکا دی حکمِ خدا پر جو اونٹ نے
کچھ یوں قصائی بھائی کو آسانی ہوگئی

اس درجہ ذوق و شوق سے جب وارداتِ عشق
دیکھی تو اہلِ عقل کو حیرانی ہوگئی

سب بزدلی و خوف بھی کافور ہوگئے
دوبالا آج غیرتِ ایمانی ہوگئی

اولاد کی بجائے جو مینڈھا کیا قبول
کمزور مومنین کو آسانی ہوگئی

ناقابلِ بیان ہے قربانیوں کے بعد
حاصل خوشی جو قلب کو انجانی ہوگئی

**اثر جونپوری**

# واقعات صحابہؓ

عبداللہ فارانی

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس سے گزرے۔ اس سے کوئی گناہ ہوگیا تھا۔ لوگ اسے برا بھلا کہہ رہے تھے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا:

''یہ تو بتاؤ! اگر تمہیں یہ آدمی کسی کنویں میں گرا ملتا تو کیا تم اسے نہ نکالتے۔''

لوگوں نے جواب دیا: ''ضرور نکالتے۔''

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم اسے برا بھلا نہ کہو اور اللہ کا شکر ادا کرو، اس نے تمہیں اس گناہ سے بچا رکھا ہے۔''

اس پر لوگوں نے ان سے کہا:

''کیا آپ کو اس شخص سے نفرت محسوس نہیں ہورہی۔''

آپ نے فرمایا: ''مجھے اس کے برے عمل سے نفرت ہے جب یہ اس گناہ کو چھوڑ دے گا تو یہ پھر میرا بھائی ہے۔''

O

## قدم بہ قدم

صحابہ کرام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ابھی تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آئے گا۔''

اتنے میں ایک انصاری صحابی آگئے۔ ان کی ڈاڑھی سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ انھوں نے اپنی جوتیاں بائیں ہاتھ میں لٹکا رکھی تھیں۔

اگلے روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات بیان فرمائی۔ اس روز بھی وہی انصاری صحابی اسی حالت میں آئے۔ تیسرے دن پھر آپ نے وہی بات ارشاد فرمائی اور تیسرے دن بھی وہی صحابی اسی حالت میں آئے۔ جب یہ صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھے تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے گئے اور ان سے کہا:

''میرے والد کا مجھ سے جھگڑا ہوگیا ہے۔ اس کی وجہ سے میں قسم کھا بیٹھا ہوں کہ تین دن تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے اپنے ہاں تین دن کے لیے ٹھہرالیں۔''

انھوں نے فوراً کہا:

''ضرور! کیوں نہیں۔''

اس طرح حضرت عبداللہ نے تین راتیں ان کے پاس گزاریں، لیکن انھوں نے رات میں انھیں کوئی خاص عبادت کرتے نہ دیکھا، البتہ جب ان کی آنکھ کھل جاتی تھی تو کروٹ بدلتے ہوئے تھوڑا اللہ کا ذکر کرلیتے تھے اور اللہ اکبر کہتے تھے۔ پھر نمازِ فجر کے لیے بستر سے اٹھ جاتے تھے۔ ہاں جب بات کرتے تو خیر ہی کی کرتے تھے۔ جب تین راتیں گزر گئیں اور ان کے تمام اعمال معمول کے مطابق نظر آئے اور کوئی خاص عمل نظر نہ آیا تو انھوں نے ان انصاری سے کہا:

''اے اللہ کے بندے! میرا اپنے والد سے کوئی جھگڑا نہیں ہے، نہ ان سے کوئی ناراضی ہے، نہ میں نے کوئی قسم کھائی ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بارے میں تین مرتبہ یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابھی تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آنے والا ہے اور تینوں مرتبہ آپ ہی آئے۔ اس پر میں نے سوچا کہ میں آپ کے ہاں رہ کر آپ کا وہ خاص عمل دیکھوں جو آپ کرتے ہیں، پھر میں بھی وہ عمل کیا کروں، لیکن ان تینوں دنوں میں میں نے آپ کو کوئی خاص عمل کرتے نہیں دیکھا۔ اب آپ بتائیں۔ آخر آپ کا وہ کون سا عمل ہے، جس کی وجہ سے آپ اس درجے کو پہنچ گئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔''

حضرت عبداللہ کی بات کے جواب میں انھوں نے کہا: ''میرا کوئی خاص عمل نہیں ہے۔ وہی ہے جو آپ نے دیکھا ہے۔''

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمرو وہاں سے چل پڑے۔ اس وقت ان انصاری صحابی نے انھیں آواز دی اور فرمایا:

''میرے اعمال تو وہی ہیں جو تم نے دیکھے ہیں، البتہ ایک اور بات ہے اور وہ یہ کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے بارے میں کھوٹ نہیں رکھتا اور کسی کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت دے رکھی ہو تو میں اس پر حسد

# چولہا جلتا ہے

سید بلال پاشا۔ واہ کینٹ

عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہے تھے۔ آغا صاحب نے ابھی قدم باہر رکھا ہی تھا کہ ایک جوان بھکاری نے ان کے سامنے ہاتھ پھیلا دیے "صاحب! کچھ مدد کرتے جاؤ، میرا باپ معذور ہے، چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں میری، گھر میں فاقہ ہے صاحب" اس کے لہجے سے سچائی ٹپکتی محسوس ہو رہی تھی، آغا صاحب ٹھٹکے، پھر نظر بھر کر اسے دیکھا، "اللہ آسانیاں پیدا کرے" اسے دعا دی اور کتراتے ہوئے چل دیے، "حد ہوتی ہے کنجوسی اور بے مروتی کی، اللہ کا دیا سب کچھ ہے، پھر بھی کسی کی مدد کرنا گوارا نہیں" ایک نمازی نے سائل سے ہمدردی کرتے ہوئے کہا، مجھے بھی چونکہ بھکاری کے پاس سے ہی گزرنا تھا اور پھر مجھ میں لوگوں کی کڑوی کسیلی سننے کا حوصلہ بھی نہ تھا، لہٰذا میں نے جیب سے پچاس کا نوٹ نکالا اور پاس سے گزرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں تھما دیا، "یہ دیکھو ایسے لوگوں کے دم سے ہی تو بے چارے غریبوں کا چولہا جلتا ہے، حالانکہ اتنی کمائی بھی نہیں، پھر بھی کچھ نہ کچھ دے دیا" میری اس سخاوت پر بھی کسی تبصرہ کرنے والے نے تبصرہ کیا اور میرے من میں لڈو پھوٹنے لگے کہ لوگوں کی ناراضی سے بچنے کے لیے ہی تو کیا تھا میں نے یہ سب کچھ۔

آغا صاحب کے غریبوں کے ساتھ اس رویے پر مجھے بھی کافی حیرت ہوتی تھی، اچھا خاصا گھرانہ تھا، دو بیٹے، بہترین ملازمت کرتے تھے، اوپر کی منزل کرایہ پر دے رکھی تھی اور پنشن الگ، صوم وصلوٰۃ کے تو پابند تھے اور دینی مسائل سے اچھی آگہی رکھتے تھے، لیکن غریبوں کی مدد کے معاملے میں یہ بخل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کسی نے انھیں جیب میں ہاتھ ڈالتے کبھی نہیں دیکھا تھا، محلے والوں سے اکثر طنزیہ باتیں سنتے، لیکن وہ سننا بھی نہ سننے کے برابر تھا، وہ اپنی پرانی عادت پر ہی قائم تھے۔

کسی کام سے میرا ایک دن کچی آبادی کی طرف جانا ہوا، وہ آبادی ایسی تھی کہ اس کی تنگ گلیوں میں گاڑی کا داخل ہونا ناممکن تھا، صرف موٹر بائیک یا سائیکل ہی گزر سکتی تھی، آبادی کے آغاز میں آغا صاحب کی کار دیکھ کر میں ٹھٹکا، "کہاں آغا صاحب جو غریبوں کو منہ ہی نہیں لگاتے اور کہاں یہ غریبوں کی بستی" تجسس کے مارے اس جگہ کونے میں آغا صاحب کا انتظار کرنے لگا، کچھ ہی دیر بعد آغا صاحب کسی شخص کے ساتھ آتے دکھائی دیے، وہ شخص کچھ لنگڑا کر چل رہا تھا۔ آغا صاحب کو رخصت کر کے جب وہ واپس ہونے لگا تو میں نے اسے جا لیا، علیک سلیک کے بعد میں نے اس کے بارے میں اور آغا صاحب کی بابت پوچھا:

"بس جی، وہ کبھی ملنے آجاتے ہیں۔" شروع میں تو وہ ٹال مٹول کرنے لگا، لیکن مزید کریدنے پر اس نے بتایا: "میں مجاہد تھا، ایک محاذ پر زخمی ہونے کے بعد میں ٹھیک سے چلنے اور دوڑنے سے معذور ہو گیا، میرے پاس کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا، ان دنوں میرے گھر میں فاقے بھی ہونے لگے، لیکن اب آغا صاحب کی مدد سے میں نے چھوٹا سا کاروبار شروع کر دیا ہے اور مناسب گزر بسر ہو رہی ہے۔"

میرے حیرت کے مارے کھلے منہ کو دیکھ کر وہ لمحہ بھر رکا، پھر گویا ہوا:

"صاحب جی اور نجانے کتنے ہی خاندانوں کی وہ اس طریقے سے مدد کرتے ہیں، مستحق لوگوں کو ڈھونڈ کر چپکے چپکے ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں، نشہ کرنے والوں اور پیشہ ور بھکاریوں کو دینے سے کنی کتراتے ہیں۔"

وہ بتاتا چلا گیا اور مجھے آج پتا چلا کہ ایسے لوگوں کے دم سے ہی تو بے چارے غریبوں کا چولہا جلتا رہتا ہے، مجھ جیسوں کے دم سے نہیں، کیونکہ اپنے پچاس روپے کے دم سے تو میں نے اسی شام چرس کے مرغولے اٹھتے دیکھ لیے تھے۔

نہیں کرتا۔"

یہ سن کر حضرت عبداللہ نے کہا:

"بس! اسی چیز نے آپ کو اس مرتبے پر پہنچایا ہے۔"

نوٹ: بعض روایات کی رو سے ان صحابی کا نام حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ ہے۔

O

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ بیمار تھے، لیکن ان کا چہرہ چمک رہا تھا۔ کسی نے ان سے پوچھا:

"آپ کا چہرہ اس قدر کیوں چمک رہا ہے۔"

(حالانکہ آپ تو بیمار پڑے ہیں)

انھوں نے فرمایا:

"مجھے اپنے اعمال میں سے دو عملوں پر سب سے زیادہ بھروسہ ہے، ایک تو یہ ہے کہ میں کوئی بے کار بات نہیں کرتا اور دوسرے یہ کہ میرا دل تمام مسلمانوں سے بالکل صاف ہے۔"

O

ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تم مجھے برا بھلا کہہ رہے ہو، حالانکہ مجھ میں تین عمدہ صفات پائی جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ جب میں قرآن کی کسی آیت کو پڑھتا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ اس آیت کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہے، وہ تمام لوگوں کو معلوم ہو جائے اور دوسری بات یہ کہ جب میں مسلمانوں کے حاکم کے بارے میں سنتا ہوں کہ وہ انصاف والے فیصلے کرتا ہے تو اس سے مجھے خوشی ہوتی ہے، حالانکہ ہو سکتا ہے، مجھے کبھی بھی اس کے پاس فیصلے کے لیے جانا ہی نہ پڑے اور تیسری بات یہ کہ جب میں سنتا ہوں کہ مسلمانوں کے فلاں علاقے میں بارش ہوئی ہے تو اس سے مجھے بہت خوشی ہوتی ہے، حالانکہ اس علاقے میں میرا کوئی چرنے والا جانور نہیں ہے۔"

مطلب یہ کہ مسلمانوں کو اچھی حالت میں پا کر خوش ہوتا ہوں۔

O

ایک صاحب نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ آپ نے آہستہ آواز میں فرمایا:

"یہ شخص اپنے خاندان کا برا آدمی ہے۔"

جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بہت خوشی ظاہر فرمائی۔ پھر وہ آدمی چلا گیا۔ اس کے بعد ایک اور صاحب آئے۔ انھوں نے بھی اجازت مانگی۔ آپ نے اس کے لیے آہستہ سے فرمایا:

"یہ اپنے خاندان کا اچھا آدمی ہے۔"

جب وہ اندر آئے تو آپ نے کوئی خاص خوشی ظاہر نہ فرمائی۔ جب وہ چلے گئے تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول! فلاں شخص آیا۔ اس نے آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کے بارے میں فرمایا، یہ بُرا آدمی ہے، لیکن جب وہ اندر آیا تو آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا، پھر ایک دوسرے صاحب سے آپ نے ان کے بارے میں فرمایا، اچھا آدمی ہے، لیکن جب وہ خدمت میں حاضر ہوا تو خاص خوشی کا اظہار نہیں فرمایا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے عائشہ! لوگوں میں سب سے برا آدمی وہ ہے جس کے شر کی وجہ سے لوگ اس سے بچتے رہیں۔"

(جاری ہے)

# تصویر کی دھمکی

8

آصف نے سردار ہارون کی کوٹھی کے دروازے پر لگی گھنٹی کا بٹن دبادیا... پھر پیچھے ہٹ آیا...

''آخر آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟''

''اور کہاں جائیں؟ یہ راز معلوم کیے بغیر چارہ بھی کیا ہے کہ سردار ہارون کو کوئی شخص کیوں قتل کرنا چاہتا ہے... وہ شخص آج شام کا اخبار پڑھ کر یہ جان جائے گا کہ اس کا وار خالی گیا ہے... اور سردار ہارون کی بجائے اس کی بلی موت کے گھاٹ اُتر گئی ہے... تو وہ کوئی اور چال سوچے گا... ان حالات میں یہ ضروری ہے کہ سردار ہارون کی زندگی بچانے کی کوشش کی جائے۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک بوڑھا ملازم باہر نکلا... اس کا چہرہ زرد تھا... آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں...

''جی فرمایئے...'' اس نے بہت ہی دھیمے لہجے میں کہا۔

''ہمیں سردار ہارون سے ملنا ہے۔''

''وہ کسی سے نہیں مل رہے ہیں... ڈی۔ ایس پی انوار صدیقی صاحب کا خیال ہے کہ ان کی جان کو سخت خطرہ ہے... اس لیے انھیں کسی سے ملاقات نہیں کرنی چاہیے۔'' ملازم نے کہا۔

''اوہ، تو وہ خبردار ہو چکے ہیں... یہ اچھی بات ہے... دراصل ہم بھی انھیں خبردار کرنے ہی آئے تھے۔'' انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔

''جی، کیا مطلب؟''

ملازم نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

''ہوٹل گرین روز میں ہم نے دو آدمیوں کو ان کے بارے میں باتیں کرتے سنا تھا، خیر کوئی بات نہیں... اب تو وہ خبردار ہو چکے ہیں اور شاید ان دونوں آدمیوں کی گفتگو اب ان کے کسی کام نہ آسکے، شکریہ بابا۔'' یہ کہتے ہوئے انسپکٹر کامران مرزا مڑے اور ساتھ ہی ان سے بولے:

''آؤ بھئی چلیں... ہم نے اپنا فرض پورا کیا۔''

''ذرا ٹھہریے جناب، شاید سردار صاحب آپ سے ملاقات کرنا پسند کریں۔'' ملازم نے جلدی سے کہا۔

''لیکن ابھی تو آپ کہہ رہے تھے۔'' انسپکٹر کامران مرزا کہتے کہتے رک گئے۔

''ہاں، لیکن آپ کے ساتھ بات چیت کرنے کے بعد شاید ان کے دشمنوں کی ذات پر کوئی روشنی پڑے، اس لیے وہ آپ سے ضرور ملاقات کرنا پسند کریں گے... آیئے میرے ساتھ۔''

آفتاب اور آصف حیران رہ گئے... انسپکٹر کامران مرزا نے کس قدر آسانی سے ملاقات کا موقع پیدا کر لیا تھا... بوڑھا انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا... جلد ہی قدموں کی آواز سنائی دی... انھوں نے نظریں اوپر اٹھائیں... اور پھر چونک اُٹھے... ڈی۔ ایس پی انوار صدیقی ایک درمیانے قد کے آدمی کے ساتھ چلا آرہا تھا اور ان کے پیچھے تین کانسٹیبل بھی تھے...

اشتیاق احمد

''اوہو، یہ آپ ہیں؟'' انوار صدیقی کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

''جی ہاں، آپ نے ٹھیک پہچانا... آپ رات ایک بجے کے قریب ہوٹل میں آئے تھے... کمرہ نمبر ایک سو گیارہ میں ٹھہرے ہوئے دو لڑکوں کے بارے میں آپ نے پوچھا تھا۔''

''جی ہاں، اس وقت تو آپ نے کچھ نہیں بتایا تھا۔''

''آپ نے سردار ہارون کا نام لے کر کچھ نہیں پوچھا تھا۔''

''لیکن اب آپ کو کس طرح معلوم ہوگیا کہ سردار ہارون کی کوٹھی میں واردات ہوئی ہے... جب کہ یہ خبر ابھی اخبارات میں بھی نہیں آئی۔'' انوار صدیقی نے انھیں چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر کامران مرزا چکرا گئے... دراصل انھیں یہاں اخبار میں خبر شائع ہونے کے بعد آنا چاہیے تھا، تاہم وہ فوراً ہی سنبھل گئے اور بولے:

''افواہ کی رفتار تیز ہوتی ہے جناب، شہر میں اس وقت یہ خبر گشت کر رہی ہے کہ رات یہاں کیا ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس خبر کو چھپایا تو گیا ہی نہیں، نہ پولیس والوں نے نہ گھر کے افراد نے، اس طرح یہ خبر ہمارے کانوں میں بھی پڑ گئی اور پھر ہمیں یہ یاد آگیا کہ سردار ہارون کے بارے میں کل ہوٹل میں دو آدمی باتیں کر رہے تھے، چنانچہ اس خیال سے ہم آگئے کہ سردار صاحب کو خبردار کر دیں۔''

''خیر، آپ کا شکریہ... اب آپ بتایئے، وہ گفتگو کیا تھی۔'' انوار صدیقی بولا۔

''کیا آپ کے ساتھ سردار ہارون ہی ہیں۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے اس کی بات کا جواب دیے بغیر اس کی طرف اشارہ کیا جو اس کے ساتھ آیا تھا۔

''نہیں، یہ سردار ہارون کے دوست بھی ہیں اور مہمان بھی... دوسرے شہر سے آئے ہوئے ہیں... عابد ریکسانی صاحب۔''

''آپ لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی... اطمینان سے بیٹھ جایئے... بہتر تو یہ ہوگا کہ آپ سردار صاحب کو بلا لیں... ہم سے آپ لوگوں کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے... آپ ہماری تلاشی لینا چاہیں تو شوق سے لے سکتے ہیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا... شہر کے ایک دو معزز آدمی بھی فون پر ہمارے بارے میں آپ کو یہ بتا سکتے ہیں کہ ہم بے ضرر لوگ ہیں اور یہ کہ مجرمانہ ذہنیت کے لوگ ہرگز نہیں ہیں۔''

''ٹھیک ہے، میں سردار صاحب کو بھی بلا لیتا ہوں... ہم انھیں احتیاطاً ساتھ نہیں لائے تھے، لیکن آپ کا چہرہ دیکھ کر ہی میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ سردار ہارون کے دشمن ہرگز نہیں ہیں۔'' یہ کہہ کر انوار صدیقی نے ایک کانسٹیبل سے کہا۔

''سردار صاحب سے کہو، وہ بھی یہاں آجائیں، کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''جی بہتر۔''

تھوڑی دیر بعد وہی ادھیڑ عمر آدمی آتا نظر آیا جس سے آفتاب اور آصف رات مختصر سی ملاقات کر چکے تھے اور جسے کلوروفارم کی بجائے زہر سنگھاتے سنگھاتے رہ گئے تھے... اس کا چہرہ کسی لاش کی طرح زرد تھا... آنکھوں میں گہری بے چینی کے آثار تھے...

''آیئے سردار صاحب، یہ شریف لوگ ہیں... آپ کو خبردار کرنے کی نیت سے آئے ہیں... ان سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں... انھوں نے ہوٹل گرین روز میں دو آدمیوں کو کل آپ کے بارے میں باتیں کرتے سنا تھا، اب یہ وہی گفتگو دہرانے والے ہیں... شاید اس طرح ہمیں کوئی مدد مل سکے۔''

''شکریہ جناب۔'' سردار ہارون نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

''گفتگو دراصل میں نے نہیں سنی، ان دونوں نے سنی تھی اور یہی اسے دُہرائیں گے۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے جھوٹ سے دامن بچاتے ہوئے کہا۔

''چلیے یوں ہی سہی، یہ تو ایک ہی بات ہے۔'' انوار صدیقی جلدی سے بولا۔

''چلو بھئی آصف بتاؤ... تم نے کیا سنا تھا؟''

اور آصف نے اپنی اور شابو کی گفتگو دُہرادی... اس کے بیان کے دوران سردار ہارون کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی چلی گئیں... پھر آصف کے خاموش ہوتے ہی اس نے چلا کر کہا:

''خدا کی قسم! یہ کہانی بالکل جھوٹ ہے۔ میں بلیک میلر ہرگز نہیں ہوں۔''

''میں سمجھ گیا، ان لڑکوں نے آپ کو کلوروفارم سنگھانا چاہا تھا، لیکن اتفاق سے رومال نیچے گر گیا اور اسے آپ کی بلی نے سونگھ لیا... اس طرح وہ مرگئی... ادھر جب ان لڑکوں نے دیکھا کہ بے ہوش ہونے کی بجائے بلی مرگئی ہے تو یہ گھبرا گئے اور سمجھ گئے کہ شابو کی کہانی جھوٹی ہے... انھوں نے زہر سنگھانے کا خیال تو دل سے نکال دیا، البتہ تجوری کھول کر یہ دیکھنے کی کوشش کیے بغیر نہیں رہ سکے کہ تجوری میں تصویروں والا لفافہ ہے یا نہیں... مجھے تو اس پر بھی حیرت ہے کہ انھوں نے تجوری کس طرح کھول لی... خیر، ان کے پاس چابیاں ہوں گی... یہ اور بات ہے کہ تجوری کھلنے پر انھیں ایک تصویر دھمکی دیتی نظر آئی اور ادھر آپ جاگ گئے، اس طرح یہ بھاگنے پر مجبور ہوگئے... آپ کی تجوری بنانے والی فرم کو بھی داد دینے کو جی چاہتا ہے... ایسا انتظام کیا ہے کہ کوئی شخص چوری کر ہی نہیں سکتا۔''

''جی ہاں! یہ ان کی حیرت انگیز ایجاد ہے... ادھر کوئی تجوری کھولتا ہے، ادھر تصویر تجوری کھولنے والے کو دھمکی دے ڈالتی ہے اور ساتھ ہی میرے کان میں خطرے کی گھنٹی بج اُٹھتی ہے... یہ گھنٹی صرف میرے کان میں بجتی ہے، اس کی آواز کمرے میں نہیں گونجتی، بالکل اسی طرح جیسے ہم ایئرفون کے ذریعے ٹی وی دوسروں کو آواز سے پریشان کیے بغیر دیکھ اور سن سکتے ہیں... تصویر کے لیے انھوں نے ایک قسم کا چھوٹا سا ٹیلی ویژن لگا رکھا ہے اور اس کی سکرین پر تصویر وی سی آر قسم کی مشین سے آتی ہے... جس میں انھوں نے اس تصویر کی فلم چڑھا رکھی ہے۔''

''واقعی اس فرم نے کمال کر رکھا ہے، لیکن یہ تجوری قیمتی تو بہت ہوگی۔''

''جی ہاں، اس میں کیا شک ہے، لیکن حفاظت کے پیشِ نظر اس کی قیمت زیادہ محسوس نہیں ہوتی۔''

''لیکن جناب، آخر آپ کو اس قدر حفاظت کی کیا ضرورت پیش آگئی... آپ نقدی اور زیورات بنک میں بھی تو رکھ سکتے ہیں۔'' انسپکٹر کامران مرزا بول پڑے۔

''گھر میں بھی کچھ نہ کچھ رکھنا پڑتا ہے۔'' سردار ہارون نے فوراً کہا۔

''سوال یہ ہے کہ ان حضرات کے بیان کی روشنی میں آپ کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔'' عابد ریسانی نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیا۔

''ان کا بیان سننے سے پہلے مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ شابو کسی چکر میں ہے... کل میں نے شابو کو گھوش سے ملاقات کرتے بھی دیکھا تھا... گھوش سے شاید اس کا معاملہ طے نہیں ہوسکا تھا، پھر اس نے ان دو لڑکوں سے بات کرلی ہوگی اور انھیں اس کام پر آمادہ کرلیا ہوگا... اب کم از کم ہمیں یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ گھوش اور شابو کیا معاملہ طے کرنا چاہتے تھے... گھوش پہلے ہی میری نظروں میں ہے، اس کے گھر کا بھی مجھے پتا ہے، میں اس سے بھی پوچھ گچھ کروں گا اور شابو کی تلاش کا بھی ابھی انتظام کیے دیتا ہوں، بہرحال آپ لوگوں کا بہت بہت شکریہ۔'' آخری جملہ اس نے انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب اور آصف سے کہا، جس کا مطلب یہ تھا کہ اب آپ لوگ جاسکتے ہیں، لیکن انسپکٹر کامران مرزا اپنی جگہ سے ٹس سے مس بھی نہ ہوئے... انھوں نے سردار ہارون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں ڈی۔ ایس پی صاحب کا مطلب سمجھ گیا... ہم ابھی چلے جاتے ہیں، لیکن جانے سے پہلے ایک بات ضرور کہنا چاہتا ہوں، یہ بات میرے ذہن میں ہل چل سی مچارہی ہے۔''

''ضرور کہیے جناب؟'' سردار ہارون نے جلدی سے کہا۔

''شابو آپ کو زہر دینا چاہتا تھا... کیا آپ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے... آخر وہ کون ہے... آپ سے اسے کیا دشمنی ہے... یہ تو ہوسکتا ہے کہ وہ ہوٹل گرین روز میں اپنی اصلی صورت میں نہ گیا ہو، لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہ ہو، کوئی اندازہ ہی نہ ہو۔''

ان کا سوال سن کر انوار صدیقی نے انھیں حیران ہوکر دیکھا، اور پھر بولا:

''بات تو آپ نے پتے کی کہی... سردار صاحب، آپ کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے؟''

''میں خود حیران ہوں کہ کسی کو اچانک مجھ سے کیا دشمنی ہوگئی ہے... اس قصبے میں مجھے رہتے ہوئے ایک عرصہ ہوگیا ہے، لیکن اس سے پہلے کبھی ایسی کوئی بات نہیں ہوئی، میرا کسی سے کوئی جھگڑا بھی نہیں ہوا... کسی سے کچھ لینا دینا بھی نہیں ہے، میں نے کسی کا حق بھی نہیں مارا... کسی پر ظلم بھی نہیں کیا، پھر آخر کوئی کیوں مجھے جان سے مارنا چاہے گا۔'' سردار ہارون حیرت زدہ انداز میں کہتا چلا گیا۔

''کوئی نہ کوئی تو ایسا ہے، ورنہ آپ کی بلی مردہ کیوں پائی جاتی۔'' عابد ریسانی نے کہا۔

''میری عقل اس سلسلے میں بالکل خاموش ہے، کوئی جواب نہیں دیتی... آپ لوگ ہی بتائیں، میں کیا جواب دوں؟''

''تب پھر اس کا صرف اور صرف ایک ہی جواب ہوسکتا ہے۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' انوار صدیقی اور دوسرے چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

''جی ہاں، اگر سردار ہارون کا یہ بیان درست ہے کہ ان کی کسی سے دشمنی نہیں تو پھر شابو کی کہانی ہی سچ ہوگی۔'' (جاری ہے)

## جواہرات سے قیمتی

- زندگی کے وہ لمحات کس کام کے جو کسی کے کام نہ آئیں۔
- انتظار کرنے والوں کو صرف اتنا ہی ملتا ہے جتنا کوشش کرنے والوں سے بچ جاتا ہے۔
- اللہ کو پاکر کبھی کسی نے کچھ نہیں کھویا، اللہ کو کھو کر کبھی کسی نے کبھی کچھ نہیں پایا۔
- ظالموں کو معاف کرنا مظلوموں پر ظلم ہے۔
- دوسروں کو حقیر سمجھنا بے حد آسان ہے، لیکن خود کو حقیر سمجھنا بہت مشکل ہے۔
- پاکستان بنتے وقت مختلف قوموں کو ایک ملک کی ضرورت تھی، آج پاکستان کو ایک قوم کی ضرورت ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی قربت کا نزدیک ترین راستہ عاجزی ہے۔
- بے اعتمادی سے کام کرنا کنوئیں میں گرنا ہے۔
- ایسے فائدے سے درگزر کرو جس سے دوسروں کا نقصان ہو۔
- لوگوں کی نیکیاں ظاہر کیا کرو، ان کی برائیوں سے آنکھ بند لیا کرو۔

ارسال کرنے والے: طٰہٰ اسلام ماڑی پور کراچی۔ محمد نعمان قاسم شادن لنڈ۔ حکیم سید محمد سعید احمد پور شرقیہ۔

# کاوش کا شکر

سارہ الیاس۔ ڈیرہ غازی خان

صارم بے چینی سے صوفے پر بیٹھا تھا اور بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ اچانک وہ اٹھا اور بھاگنے لگا۔ اس کا رخ بیرونی دروازے کی طرف تھا۔

''اے لڑکے! باؤلا ہوا ہے کیا؟'' دادی اپنے تخت سے چیخیں۔ ''ابو! ابو آئے ہیں۔'' اس نے بھاگتے ہوئے جواب دیا۔

''نہ جانے اسے موٹر سائیکل کی آواز سے کیسے پتا چل جاتا ہے؟'' امی نے سوچا۔ ''شاید یہ محبت کی وجہ سے ہے۔'' وہ خود ہی اپنے خیال پر مسکرا دیں۔

صارم نے دروازہ کھولا اور چند ہی لمحوں میں ابو اس کے سامنے سکوٹر روک رہے تھے۔ ان کے چہرے پر جوش سوار تھا۔ صارم نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''صارم مجھے تم سے یہ امید نہ تھی!'' صارم کی تو جان نکل گئی۔

''ہوا کیا ابو؟'' صارم نے پوچھا۔

''چلو! اندر چلو! گلی میں تماشا بناؤ گے کیا؟'' ابو نے ناراضی سے کہا۔ وہ مڑا اور اندر چلا۔ دو ایک آنسو اس کے گال پر سے لڑھک گئے۔ ابو نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ ہاتھ میں پکڑی فائلیں رکھیں اور ان کے درمیان چھپا مٹھائی کا ڈبا احتیاط سے نکالا۔ ذرا مسکرائے اور باہر نکل آئے۔ باہر صارم امّی کے گھٹنے سے لگا کہہ رہا تھا۔

''ہائے امی! کوئی سپلی شپلی نہ آ گئی ہو۔ اتنی تو محنت کی تھی میں نے۔'' ابو نے ہنکارا بھرا اور صارم ہکا بکا انھیں دیکھنے لگا۔ ''اے منے! اب بول بھی چک۔ بے چارہ کب سے رو رہا ہے۔'' دادی کو روتا پوتا بالکل نہ بھایا۔ ابو نے کمر کے پیچھے سے مٹھائی نکال کر آگے کر دی۔ ''950 نمبر ہیں۔ 1050 میں سے برخوردار کے'' ابو نے گویا دھماکا کیا۔ صارم ایک دم اچھلا اور اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ''استاد صاحب! ملے تھے راستے میں، کہہ رہے تھے کہ سکول کی طرف سے آرڈر دے کر آ رہا ہوں۔ کل پورے شہر میں بینر لگے ہوں گے ہمارے شیر کے!'' اول آیا ہے ہمارا بیٹا۔'' صارم کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ ''یعنی میرے قاسم اور اختر سے بھی زیادہ نمبر ہیں۔ واہ!''

''بالکل بیٹا! اب آپ اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو اتنے اچھے نمبر عطا کیے اور! اور یہ کہ اب تم نے جیسے میٹرک اتنے اچھے نمبروں سے کیا ہے، اسی طرح ایف ایس سی بھی دل لگا کر کرنا۔ یہ تو اصل بنیاد ہے کیریئر کی۔'' ابو نے اسے ایک لمبا لیکچر دیا۔ اس دوران صارم خشوع وخضوع سے مٹھائی کھاتا رہا، البتہ پڑھائی خوب کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

O

سارے خاندان میں صارم کی دھوم مچی تھی۔ ہر شخص مبارک باد دینے آ رہا تھا۔ رشتہ دار، ہمسائے، دوست سبھی تحفے لائے، مٹھائی لائے یا پھر نقد پیسے دیے، یہاں تک تو صحیح تھا اور اس میں خوب مزہ تھا مگر اس کے بعد ہر شخص لازماً کہتا:

''اب ایف ایس سی (F.S.C) ہے میٹرک نہیں۔'' ''برخوردار خیال کرنا'' ''تمھیں ڈاکٹر بننا ہے اور ہم تمھی سے علاج کرائیں گے'' یا کوئی ایک صاحب تو یہ تک کہ گئے:

ایف ایس سی کوئی کھیل نہیں جسے بچے کھیلیں
جان نکل جاتی ہے مری جان پڑھتے پڑھتے

اور یوں ساری خوشی کا جلوس نکل جاتا

O

''چلیں ابو! میں تیار ہوں۔'' صارم نے خوشبو لگاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا جی! کہاں جانا ہے؟'' ابو نے پوچھا۔ ''آپ بھی کمال کرتے ہیں، آج ماموں کے بیٹے کا عقیقہ نہیں؟'' صارم نے حیرت سے کہا۔ ''بیٹا وہ تو ہے مگر اب تم ایف ایس سی میں ہو۔ تم یہ تقریبات وغیرہ چھوڑو۔ بس دو برس ہیں، پھر تم ڈاکٹر ہو گے اور تب تک تم پڑھائی کرو اور بس!'' ابو نے کہا اور صارم پیر پٹختا لوٹ گیا۔

''اجی! لے، چلتے، بچہ ہے، گھنٹے دو میں کیا نقصان ہو جاتا۔'' امی ہاتھوں میں کنگن ڈالتے ہوئے بولیں۔

''بس بیگم! دو سال یہ فالتو کام چھوڑ دے تو پھر۔'' ابو ہولے سے مسکرانے لگے اور امی بھی سٹیتھوسکوپ لگائے صارم کا تصور کر کے مسکرا دیں۔

آج کالج کا پہلا دن تھا۔ فرسٹ ائیر فولنگ کرنے والوں سے بچتے بچاتے صارم کلاس میں داخل ہوا۔ اسے کئی شناسا چہرے نظر آئے اور وہ ان کے ساتھ جا بیٹھا۔ چند منٹ بعد سر نعیم ذوالفقار بھی تشریف لے آئے۔ سارے ہی پیریڈ ہوئے اور ہر پیریڈ میں پروفیسر صاحبان نے باہمی تعارف کروایا اور ''ایف ایس سی، ایف ایس سی نہ کرنے سے کیا ہوگا؟ نیز ڈاکٹر کا معاشرے میں مقام و مرتبہ پر لیکچر دیا۔

''ہر جگہ یہی لیکچر! امتحانوں کے بعد جب اکیڈمی کی کلاس لگی تھی، تب بھی سارے پروفیسروں نے یہی کہا تھا۔'' امی ابو! ہر کوئی یہی کہتا ہے۔ ایف ایس سی کر لو تو زندگی اچھی، ورنہ ریڑھی لگانی ہوگی۔ مجھے واقعی سب کچھ چھوڑ کر ایف ایس سی کرنا چاہیے۔'' صارم نے سوچا۔

صارم اب کچھ تبدیل سا ہو گیا تھا۔ چڑچڑا سا، اپنی صفائی ستھرائی سے لاتعلق، دوستوں سے دور، موبائل بند، فیس بک بھی بند، دوست ملتے تو کہتے ''بھائی! بڑے بن گئے ہو! لفٹ ہی نہیں کرواتے!'' اور وہ مسکرا کر نکل جاتا، البتہ پڑھائی میں بہت اچھا ہو گیا تھا۔ ہر ماہ 90 سے اوپر فی صد ہوتی۔ اساتذہ پر امید تھے کہ وہ اکیڈمی ٹاپ

# نہار منہ پانی پینا

انجینئر آصف مجید۔لاہور

حدیث کی مشہور کتاب طبرانی شریف کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ جس نے نہار منہ پانی پیا، اس کی طاقت کم ہو جائے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چار چیزیں بدن کو مضبوط بنا دیتی ہیں۔

(1) گوشت کھانا (2) خوشبو سونگھنا (3) کثرت سے نہانا (4) سوتی لباس پہننا اور چار چیزیں بدن کو لاغر اور بیمار بنا دیتی ہیں۔ ان میں سے تین یہ ہیں:

(1) نہار منہ پانی پینا (2) ترش چیزیں کثرت سے کھانا (3) فکر اور غم زیادہ کرنا

حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ بہشتی زیور میں لکھتے ہیں:

1 صبح کو فوراً پانی نہ پیو اور یک لخت ہوا میں نہ نکلو۔ اگر بہت ہی پیاس ہے تو عمدہ تدبیر یہ ہے کہ ناک پکڑ کر پانی پیو اور ایک ایک گھونٹ کر کے پیو اور پانی پی کر ذرا دیر ناک پکڑے رہو، (اس دوران) سانس ناک سے مت لو۔ اسی طرح گرمی میں چل کر فوراً پانی مت پیو۔ خاص کر جس کو لو لگی ہو، وہ اگر فوراً بہت سا پانی پی لے تو اسی وقت مر جاتا ہے۔ اسی طرح نہار منہ نہ پینا چاہیے اور بیت الخلاء سے نکل کر فوراً پانی نہ پینا چاہیے۔

2 جہاں تک ہو سکے، ایسے کنویں کا پانی پیو جس کی بھرائی زیادہ ہو (یعنی پانی زیادہ ہو) کھارا پانی اور گرم پانی مت پیو۔ بارش کا پانی سب سے اچھا ہے مگر جس کو کھانسی اور دمہ ہو، وہ نہ پیے۔ کسی کسی پانی میں تیل سا ملا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ پانی بہت برا ہے۔ اگر خراب پانی کو عمدہ بنانا ہو تو اس کو اتنا پکاؤ کہ سیر کا تین پاؤ رہ جائے۔ پھر ٹھنڈا کر کے چھان کر پیو۔

3 گھڑوں کو ہر وقت ڈھانپ کر رکھو بلکہ پینے کے برتن کے منہ پر باریک کپڑا بندھا رکھو تا کہ چھنا ہوا پانی پینے میں آئے۔

4 برف گردوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ خاص کر عورتیں اس کی عادت نہ ڈالیں۔

5 کھاتے پیتے وقت ہرگز نہ ہنسو۔ اس سے بعض اوقات موت کی نوبت آجاتی ہے۔ (بہشتی زیور نواں حصہ صفحہ 682)

جدید تحقیق کے مطابق نہار منہ پانی پینا جوڑوں کے درد کا باعث ہوتا ہے۔ برطانیہ اور امریکہ میں گھٹنوں کے مریضوں کو نہار منہ پانی پینے سے منع کر دیا جاتا ہے۔

آج سے تقریباً 35 سال پہلے نہار منہ پانی پینے کے فائدے اس قدر بیان کیے گئے تھے کہ لاتعداد لوگ نہار منہ پانی پینے کے عادی بن گئے تھے۔ اور بہت سے لوگ تو اسے سنت بھی کہنے لگے ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

میرا خیال ہے کہ مسلمانوں میں نہار منہ پانی پینے کی ترغیب ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دی گئی ہے کہ تا کہ مسلمانوں کی طاقت کمزور ہو جائے۔ خاص طور پر پاک فوج کے نوجوانوں میں یہ ترغیب بہت زیادہ زور و شور سے دی گئی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ پاک فوج کے جوان صبح سویرے پانی کے گھڑوں کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتے تھے اور دو دو تین تین گلاس چڑھا جاتے تھے۔

آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ رمضان المبارک میں افطاری کے وقت کچھ نہ کھائیں اور صرف دو گلاس پانی پی لیں۔ آپ کی ٹانگیں تراویح میں کھڑا ہونے سے عاجز آجائیں گی۔

لاہور کے مشہور طبیب حکیم محمد اجمل شاہ صاحب جو میرے بھی حکیم ہیں اور اشتیاق احمد صاحب کے بھی، بہترین نباض ہیں۔ نبض اور قارورہ دیکھ کر مرض سمجھ جاتے ہیں۔ مریض کو مرض بتانا نہیں پڑتا۔ غذاؤں سے علاج کرتے ہیں۔ رائیونڈ کے بزرگ، انڈیا اور کئی ممالک کے بزرگ، مولانا طارق جمیل صاحب وغیرہ، ان سے مشورہ کرتے ہیں۔ ان کے استاد حکیم صدیق شاہین صاحب مرحوم (گولڈ میڈلسٹ) فرمایا کرتے تھے کہ نہار منہ پانی پینا براہ راست دل پر اثر انداز ہوتا ہے اور معدے کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

حکیم اجمل شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ اس بات پر اطباء کا اتفاق ہے کہ درج ذیل موقعوں پر پانی نہیں پینا چاہیے۔

(1) نیند سے بیدار ہو کر (یعنی نہار منہ) (2) بیت الخلاء سے فراغت کے فوراً بعد (پیشاب پاخانہ یا غسل کے فوراً بعد (3) مشقت کے بعد (سفر، ورزش، بھاگ دوڑ محنت مزدوری وغیرہ کے بعد) (4) رات کو سونے سے پہلے (یعنی پانی پیتے ہی نہ سونے کے لیے لیٹ جائیں)

پانی کم یا زیادہ پینے کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ صحت مند آدمی کو اعتدال سے کام لینا چاہیے اور بیمار آدمی کو اپنے طبیب کے مشورے پر عمل کرنا چاہیے۔

کرے گا اور اکیڈمی ٹاپ کرنے کا مطلب بورڈ کی پوزیشن! امتحان ہوئے نتیجہ نکلا وہ دوسرے نمبر پر تھا۔ اس کے اساتذہ اس کی ہمت بندھاتے کہ وہ ذرا زیادہ محنت کرے تو اول وہی ہوگا۔ وہ سوچتا کہ کیا میں نماز چھوڑوں کہ گھنٹا دو گھنٹا مزید پڑھ لوں، پھر خود ہی اپنی سوچ پر استغفر اللہ پڑھ کر کتابوں میں گم ہو جاتا۔ پھر سال دوم کے امتحانات بھی ہو گئے۔ وہ اللہ سے دعا کرتا کہ پہلا نمبر اسی کا ہو۔ پھر انٹری ٹیسٹ بھی ہو ہی گیا۔ اس کا ایگری گیڈ (Agregade)83.34% تھا۔

آج میڈیکل کالجز کی فائنل داخلہ لسٹ لگی تھی۔ ابو آئے تو کچھ چپ سے تھے۔ صارم کی نظروں میں دسویں والا منظر دوڑ گیا۔ وہ مسکرایا اور بولا "ابو! ابو! اب صبر نہیں ہوتا۔ بتایئے ناں! کنگ ایڈورڈ میں نہیں تو نشتر میں داخلہ ہوگا مگر یہ خبر بم بن کر گری کہ وہ رہ گیا تھا، آخری لڑکے کا ایگری گیڈ (Agregade) 83.35 تھا، "شارٹ لسٹنگ میں ان شاء اللہ تم آجاؤ گے۔" ابو نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا مگر وہ سن ہی کہاں رہا تھا۔ وہ صرف 0.01 نمبر سے رہ گیا تھا۔ امی نے اسے جھنجھوڑا مگر وہ سرخ نظروں سے خلا میں دیکھ رہا تھا، پھر وہ چپ چاپ گر پڑا۔ "ریسکیو کو فون کرو!" ابو چیخے۔

"ہمیں افسوس ہے۔ اب یہ ایسا ہی رہے گا۔ ساری زندگی۔" ڈاکٹر عدنان کے الفاظ کانوں پر ڈرون میزائل کی طرح گر رہے تھے کہ جن کا پتا ہی نہیں چلتا اور پل بھر میں سب مٹ جاتا ہے۔ "اسے خوش رکھیے! غمگین نہ ہونے دیں اور اسے اکیلا بھی مت چھوڑیے۔ ایسی صورت حال میں مریض خودکشی بھی کر سکتا ہے۔" ابو کی آنکھیں برسنے لگیں۔ انھوں نے بمشکل آنسو روکے اور امی اور دادی کو تسلی دینے لگے۔

کئی سال ہو گئے ہیں۔ صارم ویسے کا ویسا ہے۔ زندہ لاش کی مانند۔ اس کے ابو سوچتے ہیں، کاش ہم نے اسے یہ بتایا ہوتا، دنیا میں ایف ایس سی کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ ڈاکٹری کے علاوہ بھی شعبے ہیں۔ کاش! ہم نے اسے سبز خواب نہ دکھائے ہوتے کہ جب وہ ٹوٹے تو وہ ضبط نہ کر پائے۔ کاش! نمبروں کی دوڑ میں ہم نے اپنے بیٹے کو شامل نہ کیا ہوتا۔ کاش! ہم نے اسے روبوٹ کی طرح نہ چلایا ہوتا۔ اسے پڑھنے کی مشین نہ بنایا ہوتا۔ کاش! کاش! کاش!" "کاش!" کا ایک لشکر تھا جو برفانی تودوں کی طرح ان کے دماغ پر برس رہا تھا اور وہ اس کے نیچے دفن ہوتے جا رہے تھے۔

نوٹ: جب میڈیکل کالجز میں داخلے کا میرٹ بنتا ہے تو کچھ فی صد ایف ایس سی اور کچھ فی صد انٹری ٹیسٹ کے نمبروں کا حاصل جمع کیا جاتا ہے۔ اسے ایگری گیڈ کہتے ہیں۔ میرٹ اس کی بنیاد پر بنتا ہے۔

# آمنے سامنے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ:

## تبصرے سالنامہ

سالنامہ بہترین تھا۔ سب سے بہترین کہانی 'ماضی کا ایک ورق' (عبدالجبار سیال) جو والدین کی خدمت سے دنیا و آخرت کی فلاح کا بتاتی ہے۔ دوسرے نمبر پر 'ٹافیاں' (ابیسہ سعدیہ) جو عبادت کے ساتھ معاشرت کا سبق دیتی ہے۔ تیسرے نمبر پر 'ماموں' (سرور مجذوب) جس میں ایک چور رشتے اور انسانیت کو نہ بھولنے کا درس دیتا ہے۔ بہترین کہانیوں کی فہرست میں یہ نام بھی جگ مگا رہے تھے۔ 'سوچ کا سمندر' 'سبق سکھا گیا' اور 'اُدھار پھانسی' جب کہ 'ایک بوڑھے شخص کی ڈائری' میں نوجوانوں کے مشورے اور جدت کا ذکر تو تھا، لیکن روحانی تنزلی تھی۔

عدالت نے آپ کو اجازتِ عام نہ دے کر منصفانہ فیصلہ نہیں کیا اور ایک ایوارڈ حضرت سید نفیس الحسینی کے نام پر بھی ہو۔ شمارے کو امیدوں سے زیادہ شان دار پایا۔ آپ اور آپ کی انتظامیہ کو بہت بہت مبارک ہو۔ (محمد عبداللہ احسن۔ لاہور)

☆

بچوں کا اسلام کے گیارھویں سالنامے پر ناقص سا تبصرہ پیشِ خدمت ہے۔ دیر آید درست آید کے مصداق سالنامہ طویل انتظار کے بعد آیا، لیکن خوب بلکہ خوب تر آیا اور سرشار کر گیا، اللہ پاک آنجناب کو احباب سمیت اپنی شان کے مطابق ترقیات سے نوازے، ڈھیروں مبارک باد قبول فرمائیں۔ جی سبھی کہانیاں لاجواب تھیں۔ مجھے زیادہ پسند آپ کی کہانی سوچ کا سمندر آئی کہ آپ نے موجودہ حالات کے تناظر میں بہت اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی۔ آج کی نوجوان نسل اس پر غور وفکر کرلے تو بہت سارے خاندانی جھگڑے ختم ہوکر امن ومحبت اتحاد اور ذہنی وقلبی سکون میسر آئے کہ آج ہمارے دلوں سے والدین اور بڑوں کی محبت واحترام ختم ہوگیا ہے۔ اللہ جزائے خیر دے۔ اس کے بعد ف ک انصاری کی آخری وار پسند آئی۔ باقی سبھی حضرات کی کاوشیں بھی خوب تھیں۔ حافظ عبدالجبار سیال بھی اشتیاق احمد کے قریب قریب تھے۔ موضوع کے اعتبار سے حافظ عبدالرزاق نے اچھی مزاحیہ نصیحت آموز کہانی لکھی، لیکن عنوان ہٹلر چاچا اور اندر چاچی ہٹلر؟

نیز پروفیسر صاحب کے انٹرویو میں آپ نے فی البدیہہ کی نئی قسم فی البدیہہ انٹرویو دریافت کردی، لیکن یہ ہے زیادتی۔ قارئین کے ساتھ بھی کہ بہت سارے قارئین سوال کرنے سے محروم رہے اور پروفیسر صاحب کے ساتھ بھی کہ وہ کھل کر خوش گوار ماحول میں جوابات نہ دے سکے اور انٹرویو کے بجائے امتحان ہی ہوگیا۔ پرانے لکھاریوں کی کمی کے باوجود نیا اضافہ بھی قابلِ قدر ہے۔ اللہ ہمارے رسالے کو تاقیامت قائم رکھے۔ آپ کی ادارت میں بشرطِ صحت وعافیت تبصرہ تو بہت باقی ہے، لیکن آپ کے ایک صفحہ کی شرط نے گلا گھونٹ دیا ہے۔ (قاری حبیب اللہ احمد فاروقی۔ چکی شیخ جی)

☆

اتوار کو فجر کے بعد ہی نجانے "میاں جی" کہاں سے سالنامہ ڈھونڈ لائے۔ تشکر سے بھری نگاہوں سے "اُن" کو دیکھا اور جھٹ سے شمارہ جھپٹ لیا۔ سرورق حسبِ معمول بہت دلکش ودلفریب تھا۔ خرم صاحب! یہی معیار برقرار رکھیں۔ سب سے پہلی پوزیشن ف۔ک۔ انصاری کی "آخری وار" کو مل سکی ہے، کیونکہ موضوع "جہاد" ہمارا پسندیدہ ترین ہے اور اندازِ تحریر بھی آخر تک قدم قدم پہ چونکا دینے والا تھا۔ دوسری پوزیشن "فوزیہ خلیل" کی کہانی "کس کا تحفہ" کی رہی۔ تیسری پوزیشن "ف۔ح۔ کراچی" کی کہانی معاشرے کے تیر نے چھین لی۔

نئے لکھنے والوں میں "محمود اشرف، رفعت جبین، ہانیہ محبوب، نفیسہ سعدیہ، ف۔ ح" پسند آئے۔

ان شہروں کے لکھنے والے غالب آگئے۔ کراچی۔ اسلام آباد۔ ساہیوال۔ جھنگ صدر۔ لاہور۔

خطوط کی تعداد اٹھائیس تھی۔ ضیاء اللہ محسن کا "پوسٹ مارٹم" کچھ اچھا نہیں لگا۔ مزے دار نہیں تھا۔ انداز بھی عام سا تھا۔ سب سے اہم بات کہ اشتہارات کی کمی پہ دل ذرا پریشان ہوا تھا، کیونکہ کافی کم اشتہارات تھے۔

مدیر صاحب نے "اثر جون پوری" کی طبیعت کا بتایا تو کافی پریشانی محسوس ہوئی۔ اللہ تعالیٰ محترم کو شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ اس سالنامے میں رائٹرز کی ایک اور قسم دریافت ہوئی: "سالانہ رائٹر! گویا کہ یہ سالنامے کے مہمان خصوصی ہیں۔ بینا رانی، ساجدہ بتول، شازیہ نور سے میں ناراض ہوں۔ ان کی غیر حاضری بہت چبھ رہی تھی۔ آخری بات کہ پروفیسر اسلم بیگ کے انٹرویو میں "بنت فیض الرحمٰن عاصم گوجرانوالہ" کون ہیں؟ یہ میرے نام کا بتنگڑ بنایا گیا ہے یا کوئی اور موصوفہ ہے اور ہاں! محترم اشتیاق احمد کو ڈھیروں سلام و دعائیں اور مبارک باد! اتنا اچھا سالنامہ نکالنے پر تمام رائٹرز کا شکریہ! جگہ کی کمی کے باعث سب کا ذکر نہیں کرسکتی۔
(بنتِ مولانا سیف الرحمٰن قاسم۔ گوجرانوالہ)

☆

سالنامہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ ماشاء اللہ آپ نے بہت محنت کے ساتھ اس کو تیار کیا ہے۔ سالنامہ کو پڑھتے ہوئے بہت ہی مزا آیا ہے۔ اس میں سب ہی کہانیاں اور مضامین زبردست ہیں۔ سب کہانیاں ہی سبق آموز ہیں، لیکن امتحان، ٹھوکر، ادھار پھانسی، سوچ کا سمندر میری زندگی کا مقصد ٹاپ پر رہیں۔ ابیسہ سعدیہ کی کاوش بھی اچھی ہے۔ ضیاء اللہ محسن صاحب کے تو کیا ہی کہنے ہیں۔ نیوز چینل ہر دفعہ کی طرح اچھا ہے۔ اثر جون پوری کی نظم پڑھ کر بہت ہنسی آئی ہے۔ خوشی کے آنسو اور ہٹلر چاچا فضول کہانیاں ہیں۔ پسند نہیں آئیں۔ تمام قارئین وقاریات سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ ہماری ایک مشکل ہے اللہ پاک حل فرمادیں۔ (زہرہ امین۔ راولپنڈی)

☆ دیگر قارئین کی طرح سالنامے کی ایک جھلک دیکھنے کو ہم بھی بے تاب تھے۔ بڑے اشتیاق سے سالنامے کو کھولا مگر اشتیاق احمد کی "دو باتیں" دیکھ کر ہماری "بے بسی" عروج پر پہنچ گئی اور اسی "بے بسی" میں ہم نے "ماموں" "ماموں" پکارنا شروع کردیا مگر جب "آنسوؤں کے سائے تلے" ہونے والی ہماری اس چیخ وپکار کو کسی نے نہ سنا تو ہم عجیب "امتحان" میں پڑ گئے کہ "ایک اہم خط" جو ہماری جیب میں ہے، اس کا کیا کیا جائے۔ اسی سوچ بچار میں چلتے ہوئے ہمیں زور کی "ٹھوکر" لگی اور ہم "ٹھوکر" کھا کر زمین پر گر پڑے اور زمین پر گرتے ہی "ایک بوڑھے شخص کی ڈائری" ہمارے ہاتھ آگئی اور یہ ڈائری پاکر ہمارے تو "خوشی کے آنسو" نکل آئے اور ہمارا جی چاہا کہ خوشی کے اس موقعے پر ہم "ٹافیاں" بانٹنا شروع کردیں۔ اس موقعے پر ہم یوں خوش ہو رہے تھے گویا ہم نے "ریڈیم کی دریافت" کا کارنامہ سرانجام دے دیا ہو اور ہم تو یہ سوچنا بھی بھول گئے کہ کہیں یہ ڈائری چرا کر ہم نے "ادھار پھانسی" تو نہیں خرید لی مگر پھر ہمارے دل میں یہ خیال ابھرا کہ یہ "جادو کے اثرات" بھی ہوسکتے ہیں۔ اس لیے ہم اس واقعے کو "ماضی کا ایک ورق" سمجھ کر بھول جانا چاہتے تھے مگر "سوچ کا سمندر" اتنا گہرا اور وسیع ہے کہ انسان "پانی کا بلبلہ" ہوتے ہوئے بھی اس سمندر سے باہر نہیں آسکتا۔ بہرحال اس واقعے نے "مجھے سبق سکھا دیا" تھا۔ اب "میری زندگی کا مقصد" بدل چکا تھا اور میں "دوسروں سے آگے نکلنے کا ہنر" جان چکا تھا۔ اس لیے ہر طرف "مسکراہٹ کے پھول" بکھیرنا شروع کردیے۔ گھر پہنچ کر "نیلا قالین" دیکھ کر سوچنے لگے کہ یہ "کس کا تحفہ" ہوسکتا ہے۔ اسی محویت میں ہم "خاموش ہتھیار" کے "آخری وار" سے نہ بچ سکے۔ سچ ہے کہ دوست ہوں یا دشمن زندگی میں کبھی نہ کبھی "آمنے سامنے" آہی جاتے ہیں، لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ "چاچا ہٹلر" جیسے لوگ

"معاشرے کے تیر" ہوتے ہیں جن کی کمان شاید "زیتون" کی ہوتی ہے۔ بہر حال سالنامے میں "انیسہ سعدیہ" اور "نفیسہ سعدیہ" کی شمولیت پر ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ "یہ بیٹیاں" بھی ذہین اور ہونہار ہیں۔ (محمد شاہد فاروق۔ پھلور)

☆ طویل ترین انتظار کے بعد سالنامہ آخر آ ہی گیا، لیکن یہ کیا سرورق پر حضرت جناب شاہین اقبال اثر صاحب کا شعر نہیں تھا۔ رسالہ کھولا "دو باتیں"! حضرت! اس بار (میری نظروں میں) بازی "ف ک انصاری" لے گئیں۔ ان کی کہانی سب سے مختلف اور موضوع انتہائی شان دار تھا۔ "سرور مجذوب" کے "ماموں" کی میں کیا تعریف کروں، وہ ٹھہرے "ادیبوں کے دادا" "آنسوؤں کے سائے تلے" پڑھ کر قدرت کے اس انداز پر حیران رہ گئی۔ اللہ اکبر کیا انداز تھا خونی رشتوں کے ملاپ کا۔ "ادھار پھانسی" خوب سے خوب تر تھی۔ "چند یادیں" سے کافی محظوظ ہوئی۔ آہا اس بار حافظ عبدالرزاق صاحب "عبد گروپ" کے ساتھ تشریف لائے ہیں، لیکن یہ کیا عبد گروپ سے ایسی شرارت کی ہمیں توقع نہیں تھی، بہر حال کہانی خوب تھی۔ اوہ! ارے! ہائیں کہانی کی کردار تو "چاچی" ہیں جب کہ عنوان "ہٹلر چاچا" اب یہ مسئلہ تو آپ ہی نبٹائیں گے کہ ایسا کیونکر ہوا؟

اس بار سالنامے میں موضوع کے اعتبار سے یکسانیت پائی گئی۔ ایک موضوع پر مشتمل دو دو کہانیاں شائع ہوئی ہیں۔ مثلاً "امتحان" "پانی کا بلبلہ" اور "میری زندگی کا مقصد" کا موضوع "موت" ہے۔ بہر حال تینوں نے ہمیں جھنجوڑ کر رکھ دیا کہ کسی بھی وقت بلاوا آسکتا ہے، تیاری کرلو۔ اسی طرح "ماضی کا ایک ورق" اور "سوچ کا سمندر" کا بھی موضوع ایک ہی ہے، لیکن انداز مختلف۔ بہر حال دونوں کہانیاں خوب صورت ترین تھیں اور ہمیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گئیں۔ "ٹھوکر" ایک "بوڑھے شخص کی ڈائری" "خوشی کے آنسو" "ٹافیاں" "کس کا تحفہ" اور "نیلا قالین" بھی زبردست تھیں جب کہ یہ "بیٹیاں" "بے بسی" "معاشرے کے تیر" "سبق سکھا گیا" اور "کہانی ہم نے لکھی ہے" بہترین کاوش تھیں۔ شاید آپ کا اشارہ "دو باتیں" میں "ف، ح"، "بلال پاشا"، "رابیل محمد خان" اور "رفعت جبیں" کی طرف ہے اور واقعی لکھنے والوں میں ان حضرات کا اضافہ بہت خوب ہے۔

"نیوز چینل" ہمیشہ کی طرح شان دار رہا۔ "عدالت" کا فیصلہ پڑھ کر ہم جھوم اٹھے۔ واقعی جج ہوں تو "شاہد فاروق" جیسے۔

آپ کا بہت بہت شکریہ کہ اس بار "اشتہارات" کم اور کہانیاں زیادہ تھیں۔ اگر خدانخواستہ "بائیکاٹ نمبر" کی طرح ہوجاتا تو ہم اپنا سر پیٹ لیتے۔ قبل اس کے کہ آپ ہمارا خط پڑھ کر اپنا سر پیٹیں، ہم رفو چکر ہوجاتے ہیں۔ والسلام۔ (بنتِ محمد عباس۔ کراچی)

☆

خاص نمبر بہت زبردست تھا۔ پڑھ کر مزہ آیا۔ "کس کا تحفہ"، "معاشرے کے تیر" ادھار پھانسی بہت ہی زبردست کہانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے۔ آپ کی محنت سے اتنا اچھا رسالہ پڑھنے کو ملتا ہے۔ یہ انتہائی مختصر تبصرہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ امید ہے، اسے بچوں کا اسلام میں جگہ دے کر ہمیں دوبارہ قلم اٹھانے کی دعوت دیں گے۔ (عبداللہ اعوان۔ ڈی آئی خان)

☆

طویل ترین انتظار کے بعد آخر کار سالنامہ آ ہی گیا۔ ہمارے ہاتھوں میں نہیں بلکہ دوسرے بہن بھائیوں کے ہاتھوں میں۔ جی ہاں! اتوار کو ہم سالنامے کی بس ہوا ہی لگا سکے، البتہ سوموار کو پورا دن ہمارا قبضہ رہا۔ سرورق پر گزشتہ کی طرح "بچوں کا اسلام" کے کئی شمارے سواری کرتے نظر آئے۔ نصیحت آموز قرآن و حدیث کے بعد آپ کی "دو باتیں" ہمیشہ کی طرح سو باتیں بلکہ ایک سو ایک باتیں لگیں۔ اس کے بعد ہم جلدی جلدی ایک کہانی ختم ہونے سے پہلے دوسری شروع کرتے گئے۔ ماشاء اللہ سب لکھنے والوں کی کاوش بہترین تھی، یعنی کسی کی تحریر بھی کم درجے کی نہیں تھی۔ اشتیاق احمد اور حافظ عبدالجبار ایک ہی مرکزی خیال لے کر حاضر ہوئے۔ سوچ کا سمندر! تصویر دیکھ کر، ہم حیران ہوگئے۔ محترم خرم صاحب نے سوچ کا سمندر بھی پانی کے سمندر کی طرح بنا ڈالا، البتہ تیسری آنکھ سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اشتیاق احمد کی سوچیں واقعی اس میں ڈبکیاں لگا رہی ہیں۔ رابیل صاحبہ ایک ہی کہانی "بے بسی" کو کئی رخ پر لے گئیں۔ آپ کی کہانی! اوہ! سرور مجذوب کی کہانی میں ایک بات وضاحت طلب رہ گئی کہ جس ڈاکو کو بچی نے ماموں کہا تھا، اس کی آواز جانی پہچانی لگنے کی کیا وجہ تھی؟ پروفیسر اسلم بیگ صاحب نے خود ہی اپنا انٹرویو لے کر کمال ہنر مندی دکھائی۔ بہر حال ہمیں ان کی تحریر بہت زیادہ پسند آئی۔ کس کا تحفہ! فوزیہ خلیل نے سینئر اور جونیئر رائٹرز کو بہت اچھا سبق دیا۔ آنسوؤں کے سائے تلے، ضیاء اللہ محسن نے خونی رشتوں کو جوش دلا دیا۔ ادھار پھانسی، آصف محمود ایک منفرد موضوع لے کر تشریف لائے۔ اثر جون پوری کی ہکلاتی نظم پڑھنے کے بعد ہم نے دو تین کہانیاں بھی ہکلاتے ہکلاتے پڑھیں۔ شاہد فاروق نے تو گویا سب کی درگت بنانے کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے۔ خصوصاً اشتیاق احمد نما سرور مجذوب کی، ضیاء اللہ محسن اس بار تفصیلی تجزیہ نہ کر سکے۔ انھوں نے سرور مجذوب کی کہانیاں سو کے قریب جب کہ بینا رانی اور نادیہ حسن کی ساٹھ سے کچھ اوپر تعداد لکھی، حالانکہ سرور مجذوب کی کہانیوں کی تعداد 120 کے قریب جب کہ بینا رانی 90 پوری کر چکی ہیں اور نادیہ صاحبہ کی 80 کے قریب ہیں۔ (زینب قریشی۔ ملتان)

☆

سرورق کے ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ اندرونی صفحات میں موجود خوب صورت کہانیاں سالنامے کے ظاہر اور باطن کو ایک ثابت کر رہی ہیں۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ ظاہر پر خرم صاحب کی مہارت اور باطن پر مدیر محترم اور اُن کے ادارتی معاونین کی محنت چھائی ہوئی ہے۔ اثر جون پوری کے آموں کی طرح کہانیاں کھٹی بھی ہیں اور بہت میٹھی سی بھی ہیں۔ مجھے تو "بچوں کا اسلام" ایکسپریس ایسی بس محسوس ہو رہی ہے جس کی ڈرائیور سیٹ پر مدیر محترم بیٹھے ہیں اور اس کی نشستوں پر (باقی صفحہ 14 پر)

چھوٹے قد والے دل چھوٹا نہ کریں
• کیا چھوٹا قد آپکو احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے؟
• چھوٹے قد اور کمزور صحت کیوجہ سے اکثر بچے بچیوں کے رشتے نہیں ہو پاتے۔
• چھوٹے قد اور کمزور صحت کی وجہ سے نوکری نہیں مل پاتی۔
• چھوٹے قد کی وجہ سے لڑکیاں سسرالیوں اور شوہر کے طعنوں کا نشانہ بنتی ہیں۔۔۔
• چھوٹا قد اور کمزور صحت بچوں کی صلاحیتوں کو زنگ لگا دیتا ہے — تو پریشان ہونا چھوڑ دیجئے
آپ میڈلیسن کا ساتھ دیں • میڈلیسن آپکا ساتھ دے گی
بچوں کے چھوٹے قد سے پریشان نہ ہوں 30 سال تک کے لڑکے لڑکیاں اپنے قد میں اضافہ کر سکتے ہیں بجوان ہونیوالے لڑکے لڑکیوں کو پروٹین کی بہت ضرورت ہوتی ہے اس کی کمی کیوجہ سے قد بڑھنا رک جاتا ہے صرف 10 فیصد ہارمونز کی کمی بیشی سے ایسا ہوتا ہے۔ اس دوران لحمیات زیادہ کریں۔ تاکہ بڑھوتری جلد ممکن ہو سکے۔
(IdealHeight)
آئیڈیل ہائیٹ کورس
اب قد بڑھانا بے حد آسان
قد میں یقینی اضافہ
چھوٹے قد والوں کے لئے طبی خوشخبری
کورس 1 ماہ قیمت 1600 روپے
قد بڑھنے کا شیڈول
12 سے 18 سال تک عمر: قد میں 6 انچ اضافہ
19 سے 24 سال تک عمر: قد میں 4 انچ کا چانس
25 سے 30 سال تک عمر: قد میں 2 انچ اضافہ۔
کورس بذریعہ V.P روانہ کیا جاتا ہے خرچہ 50 روپے صبح 11 بجے سے 6 تک کال کر کے VP منگوا سکتے ہیں
0313-5022903—0334-0700800
WWW.deva Pk Com
گرتے بال، سکری خشکی، چہرے پر کیل چھائیاں، داغ، دھبے، فالتو بال، کالی رنگت، جوڑوں کا درد، گردہ پتھری، معدہ دمہ، ہر قسم کی کمزوری کا مکمل علاج
اپنی صحت کے بارے میں مفت کتابچہ منگوانے کیلئے اپنا نام پتہ SMS کریں 0313-5022903

# فقیر کہانی

ف،ح۔کراچی

کامران گھر واپس آگیا تھا، مگر یہ کامران بالکل بدل چکا تھا۔ سرخ وسفید رنگ بالکل کالے رنگ میں بدل چکا تھا۔ جسم پر جگہ جگہ جلانے کے نشانات تھے۔ پنڈلیوں سے باقاعدہ گوشت اتارا گیا تھا۔ ظلم وستم کی یہ انتہا دیکھ کر مجھے بے اختیار جھرجھری آگئی۔ ماموں نے بتایا تھا کہ کامران کو ایک فقیر گینگ نے پکڑ لیا تھا، جو بچوں کو ملک کے مختلف شہروں سے پکڑتا ہے۔ ان کو مختلف مراحل سے گزار کر بھیک منگواتا ہے۔ اس گروپ کا بڑا ''جہانگیرہ'' تھا۔ اسے حکومت نے عبرت ناک سزائے موت سنائی۔ اس کو چھڑوانے کی بہت کوششیں کی گئی تھیں۔ ماموں ایک کامیاب دیانت دار افسر تھے، جن کے سامنے کسی کی نہ چل سکی تھی۔

کامران کو کچھ انجکشن دیے گئے تھے جن کی وجہ سے اس کا دماغ ماؤف اور زبان بند تھی۔ ہم نے ڈاکٹر کو بلایا۔ ڈاکٹر نے دوا دی۔ ڈاکٹر ندیم ہمارے فیملی ڈاکٹر کامران کی یہ حالت دیکھ کر پاگلوں جیسے ہوگئے۔ وہ ایک بہت ہی محبِ وطن پاکستانی تھے۔ کافی دیر تک روتے رہے۔

''ایک بہت ہی خطرناک بات آپ لوگوں کو بتا رہا ہوں۔'' ڈاکٹر ندیم نے یہ کہا تو ہم سب متوجہ ہوگئے۔

''کامی جیسے ہی بولنے لگے گا تو یہ نفسیاتی طور پر بہت ہی خطرناک ہو چکا ہوگا اور۔'' انھوں نے کچھ دیر رک کر ہمیں دیکھا۔

''ڈاکٹر صاحب پلیز بتائیں۔''

''اور! ہوسکتا ہے کہ پاگل ہوجائے۔'' انھوں نے بڑی مشکل سے کہا۔

''نن! نن! نہیں! میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔''

''وعدہ کرتے ہو۔''

''کیا مطلب! وعدہ؟ کیسا وعدہ؟''

''ڈاکٹر صاحب! آپ یہ بتائیں کہ ہمیں کرنا کیا ہے، کتنے پیسے لگیں گے، میں اپنا سارا جیب خرچ دے دوں گا۔'' ننھے فرقان کی اس محبت کو دیکھ کر سب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''پیسوں کی ضرورت نہیں ہے، کامی میرا بیٹا ہے، مجھے آپ لوگوں کی مدد کی ضرورت ہوگی۔''

''ڈاکٹر صاحب! ہماری جان بھی حاضر ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کامی کو کیوں کچھ ہوگا۔ یہ تو خوش ہوگا کہ ظالموں سے بچ کر آگیا ہے، اور اب اس کی جان بچ گئی ہے۔'' مجھ سے رہا نہ گیا۔

''نہیں بیٹا! ایک بچے کو جسمانی اور اندرونی طور پر فقیر بنا دینا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ اللہ کرے کچھ نہ ہو۔ میرے تو سب اندازے ہیں، اللہ کرے کہ کامی ٹھیک ٹھاک اٹھے۔'' ڈاکٹر صاحب نے کہا تو کامی کے جسم میں حرکت شروع ہوگئی۔ سب اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ کامی نے لیٹے لیٹے ہم سب کو گھور کر دیکھا۔

''کیا گھور کر دیکھ رہا ہے۔ مونو! تو نے ہمیں اتنا رلایا ہے، چل اب مکی ماؤس بن کر ہمیں ہنسا۔'' ننھا فرقان اپنی دنیا میں مگن بول ہی پڑا، کامی کو جیسے یہ بات سمجھ میں نہ آئی، وہ اچانک اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر امی کی طرف مڑ کر سامنے کھڑا ہوگیا اور ہاتھ پھیلا کر بولا:

''اے باجی! اللہ کے نام پہ دے دے۔ صرف دس روپے دے دے، میں یتیم ہوں، تین دن سے بھوکا ہوں، اللہ تجھے حج کرائے، تیرے بچوں کی خیر کرے باجی۔'' کامی کی آنکھوں میں اجنبیت تھی۔ ہمیں اپنے اندازے پر شک ہونے لگا، کیونکہ آواز بھی مختلف تھی، لیکن امی کا رو رو کے برا حال تھا۔

''ارے! اب کیوں بھیک مانگ رہے ہو، اب تو تم آزاد ہو۔''

''اوئے! جہانگیر چھوڑے گا نہیں، وہ قبر سے بھی نکال کر لے آئے گا، شیدو کو اتنا مارا تھا کہ ہائے اللہ، اس کو جلا جلا کے اس کا ہاتھ موڑ دیا۔'' کامی نے کہا تو ہم سب کو جھرجھری آگئی۔ ڈاکٹر صاحب نے سب کو جانے کا اشارہ کیا، میں اور امی اور ابو رہ گئے تو وہ کامی کے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر کچھ دیر تک کامی سے باتیں کرتے رہے۔ اس کی ذہنی کیفیت بالکل نفسیاتی ہو چکی تھی۔ اس کے ذہن میں صرف اور صرف مانگنا اور صرف مانگنا ہی ڈالا گیا تھا۔ کامی نے وہاں کے واقعات سنائے۔ ظلم کی وہ داستان سنائی کہ ہم تھرا کر رہ گئے۔

''فرحان! تمھیں اپنے بھائی کے لیے قربانی دینی ہوگی اور بہن جی آپ کو بھی۔'' ہم نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''جی کیا قربانی دینی ہوگی۔''

''کامی پر شدید تشدد کر کے اس کی رگ رگ میں بھیک مانگنا ڈال دیا گیا ہے، اب یہ کھانا اور پینا بھی بھول چکا ہے اور۔'' وہ رک گئے اور ہماری طرف غور سے دیکھا۔

بقیہ حصہ

''رک کیوں گئے ڈاکٹر صاحب۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ لوگ سننے کے لیے تیار ہیں؟'' میں نے سر ہلا دیا تو انھوں نے غور سے دیکھا اور بولے۔

''یہ آپ لوگوں کے نام اور رشتے تک کو بھول چکا ہے۔''

''کک... کیا... نن... نن... نہیں۔'' امی چلائیں اور ہماری طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کامی کی طرف بڑھیں۔

''میرا کامی بیٹا تو مجھے پہچانتا ہے؟''

''باجی! اللہ کے نام پہ دے دو، میں تیرے لیے اللہ سے دعا کروں گا... شالا تیرے بچوں کو نظر نہ لگے... بس دس روپے دے دے... دیکھ اللہ نے تیرے کو اتنا بڑا گھر دے دیا، اب تو کچھ دے دے۔'' کامی کی زبان رواں ہوگئی۔

''اُف... یہ میں کیا سن رہی ہوں۔'' امی کی حالت غیر ہو رہی تھی، لیکن ڈاکٹر ندیم جب چلائے تو امی متوجہ ہوگئیں۔

''کک... کیا؟'' میں صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

''آپ لوگوں کے لیے خوش خبری ہے۔''

''کیا؟'' اب کی بار ابو بھی بول پڑے۔

''اس کا دماغ مکمل طور پر ماؤف نہیں ہے... یہ آپ کے گھر کے ماحول کو محسوس کر رہا ہے... اس کا مطلب ہے اس پر صرف چھ ماہ محنت کرنی پڑے گی، بس مجھے کچھ امید ہوئی ہے، میں کل آپ کو طریقہ کار بتاؤں گا۔'' ڈاکٹر صاحب نے کہا اور کامی کو لے کر چلے گئے۔ انھوں نے دماغ کا سب سے بڑا ایکسرے کروایا اور بھی کچھ ٹیسٹ کرائے، اس سے کافی امید ہوئی۔

میں نے اپنے پورے سمیسٹر (2 ماہ کی تعلیم) کی قربانی دے دی۔ میرے دوسرے بہن بھائیوں نے میرا بہت ساتھ دیا، اسے ہر طرح کی تکلیف سے بچایا، تین مہینے بعد اس کو گھر سے کچھ دیر کے لیے باہر لے کر گئے تو چند ایک فقیروں کو دیکھ کر وہ بڑا چکرایا۔ ہم اسے واپس لے آئے۔ دوبارہ نہیں لے کر گئے۔ گھر میں اسے کہانیاں سناتے، کیرم بورڈ کھلواتے، اسے جتواتے۔ ابو، امی اور ڈاکٹر ندیم جب ہمیں دیکھتے تو رو پڑتے۔ اپنے فقیر بھائی کو دوبارہ سے عام انسان بنانے میں سب سے بڑا کردار ہمارا تھا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ہمیں کامیابی عطا فرمائی۔ کامی کو اب سب کچھ یاد آگیا ہے۔

# کار جہاز

خنساء فیاض۔ تلہ گنگ

ہر آدمی کو گھوڑے دوڑانے کا شوق ہوتا ہے، میرا مطلب ہے خیالات کے گھوڑے دوڑانے کا، البتہ آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے۔ کوئی خیالات کے گھوڑے دوڑا کر کارنامہ انجام دیتا ہے اور کوئی بے چارہ خیالات کے گھوڑوں کی دولتیاں کھا کر ادھ موا ہو جاتا ہے۔ دنیا میں خیالات کے گھوڑے دوڑا کر کارنامہ انجام دینے والوں کی تعداد کم ہے۔ ٹیلر نامی امریکی ایک ایسا ہی شخص ہے؟ ٹیلر کا کارنامہ ہے کہ اس نے کار میں ہوائی جہاز کے پرزے لگا کر ''ایرو کار'' نام کی عجیب و غریب چیز تیار کی ہے۔ یہ کار عام کاروں کی طرح سڑک پر بھی چلتی ہے اور ضرورت پڑنے پر ہوائی جہاز کی طرح فضا میں بھی اڑتی ہے۔ ٹیلر نے یہ کار پہلی بار 1950ء میں ڈیزائن کی تھی۔ اس وقت سے اب تک ٹیلر اس ''اڑن کار'' کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

ٹیلر جب کار اڑانا چاہتا ہے تو کار کے ساتھ جڑے ہوئے ہوائی جہاز کے پروں کو کھول دیتا ہے اور جب وہ اسے عام کار کی طرح زمین پر چلانا چاہتا ہے تو جہاز کے پروں کو کار کے دائیں بائیں لگے ہوئے کنڈوں میں فٹ کر دیتا ہے۔ اس کام میں پانچ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ کار کو اڑانے کے لیے ٹیلر اسے پچاس میل فی گھنٹا کی رفتار سے دوڑاتا ہے اور پھر یکایک کار کے اسٹیرنگ وہیل کو پیچھے کھینچ لیتا ہے اور کار فضا میں اڑنے لگتی ہے۔ یہ کار 217 کلومیٹر فی گھنٹا کی رفتار سے اڑتی ہے۔ آپ اسے زمین پر کہیں بھی اتار سکتے ہیں۔ مختلف مسائل کے باعث کار منظر عام پر نہیں آسکی۔ تاہم ٹیلر کا خیال ہے ایک دن ایسا آئے گا جب یہ عام افراد کی پہنچ میں ہوگی۔ آیئے ہمارے ساتھ مل کر خیالات کے گھوڑے دوڑایئے؟

## بقیہ : آمنے سامنے

تیس بتیس کے قریب معزز تحریریں سواریوں کی شکل میں براجمان ہیں۔
مدیرِ محترم نے سفر کو محفوظ بنانے کے لیے ''خاموش ہتھیار'' اپنے پاس رکھ لیا ہے اور ''ماموں'' بنانے کے لیے سرور مجذوب صاحب کو معاون ڈرائیور مقرر کر دیا ہے۔ صحابہ کرام کے چند ایمان افروز واقعات سنا کر عبداللہ فارانی سفر بخیریت گزرنے کی دعا کر چکے ہیں اور مدیرِ محترم نے سفر کا آغاز کر دیا ہے۔ ''بے بسی'' سالنامے کی پہلی کہانی کے عنوان کی صورت اختیار کر لیتی ہے، ایک ایسی کہانی جس کے آئینے میں بہت سے اہلِ ثروت اپنا اصلی چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔

ضیاء اللہ محسن نے ''آنسوؤں کے سائے تلے'' ایک ایسی بچی اور تُچی کہانی تحریر کی ہے جس نے ''گزر گیا ایک سال قدم بہ قدم'' کے مختصر پن اور نظم کی غیر حاضری کی کمی پوری کر دی ہے۔ سارہ الیاس نے بڑے اچھے طریقے سے اس بات کا احساس دلایا ہے کہ بے حس لوگوں کو بعض مرتبہ ٹھوکر لگانا ضروری ہو جاتا ہے۔

سائنسی کہانیاں عموماً خشک اور بور سمجھی جاتی ہیں لیکن ''ریڈیم کی دریافت'' میں میری کی کہانی اتنے سادہ اور دلچسپ انداز میں تحریر کی گئی ہے کہ اس کے لیے حافظ اسامہ فاروق کو مبارک باد اور شاباش دینے کو جی چاہتا ہے۔

کراچی والوں کا نام چھوٹا اور کام بڑا ہے۔ ڈاکٹر فرقان، ہاشین، ف۔ ح اور ف۔ خ چاروں کہانیوں میں ایک بڑے شہر کی وسعت اور سمندر کی گہرائی پائی جاتی ہے۔ سمندر پر صرف بڑے شہر کراچی کی ہی اجارہ داری نہیں ہے، جھنگ جیسا چھوٹا لیکن زرخیز اور مردم خیز شہر بھی اپنے اندر سوچ کا ایک پورا سمندر رکھتا ہے۔ کہانیوں کی تعداد کے لحاظ سے کراچی سمیت ہر شہر سے آگے ہے اور پھر ''سوچ کا سمندر'' سے لے کر ''آخری وار'' تک ہر کہانی شاہکار ہے۔ ''ماموں'' ایک ناکام ڈاکے کی منفرد اور کامیاب کہانی ہے، لیکن اصل کامیابی ایک کامل مسلمان بننا ہے اور یہ ''میری زندگی کا مقصد'' ہی نہیں بلکہ ہم سب کی زندگی کا مقصد ہونا چاہیے۔ ''ادھار پھانسی'' کا مضمون رُلا دینے والا اور عنوان چونکا دینے والا ہے۔

باقی اُدھار، کیونکہ اگر لکھنے کو بہت کچھ باقی ہو اور صفحہ ختم ہونے کا پتا بھی نہ چلے تو انسان بے بسی کا اظہار ہی کر سکتا ہے۔

بس بس بے بسی سی، بس بس بسے بسی ہے۔

(تخلص مختصر اور کلام پُر اثر رکھنے والے شاعرِ اسلام سے معذرت کے ساتھ)

(محمد اسلم بیگ۔ اسلام آباد)

☆

سالنامہ پر تبصرہ لگی لپٹی کے بغیر حاضر ہے۔ ویسے میں تبصرہ کرتا نہیں ہوں، کیونکہ تبصرہ کرنے والا آدمی کہیں نہ کہیں سے مختلف رائے کا شکار ہوتا ہے۔ کوئی بھی کہانی اور رسالہ ہو، وہ 25% لوگوں کو لازمی ہی پسند آئے گا اور 10% لوگوں کو ہمیشہ ہی ناگوار گزرے گا۔ درمیانے لوگ منصف ہوتے ہیں مگر ایسے لوگ چپ چاپ رہتے ہیں، بولتے وولتے کچھ نہیں ہیں۔ بہرحال سالنامہ بڑی دھوم دھام سے آیا۔ ہاشین صاحب بازی لے گئے۔ اس کے بعد فوزیہ خلیل، نادیہ حسن، سرور مجذوب، رابیل صاحبہ، ضیاء اللہ محسن، سارہ الیاس، آصف محمود صاحبان و صاحبین نے روایات کو برقرار رکھا۔ مزاح میں انیسہ سعدیہ نے مدھرے سے انداز میں واقعتاً کمال صاحب کی ٹانگیں استعمال کیں اور کہانی بھی بہت ہی عمدہ لکھی مگر روایتی کہانی تھی۔ اس اعتبار سے دوسرا نمبر لے گئی، ورنہ مجموعی لحاظ سے فوزیہ خلیل اور ضیاء اللہ صاحب نے دوسری پوزیشن حاصل کی، مسلسل مزاح نگاری کا حق یہ ہے کہ نیوز چینل کو تیسرا نمبر دیا جائے، لیکن بات یہ ہے آپ، سرور مجذوب، ف، ک۔ انصاری، حافظ عبدالجبار، حافظ عبدالرزاق صاحبان سے توقع تھی کہ ایسی کہانی لکھیں گے کہ لیٹا بندہ اٹھ جائے، بیٹھا بندہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے، لیکن وہ نہیں ہوا۔ خطوط نے روایات کو برقرار رکھا۔ آں جناب پروفیسر اسلم نے عجیب و غریب انٹرویو دیا ہے۔ نئے لکھنے والوں میں میری تحریر چھپی، مگر اس میں آپ نے اس کی ٹانگیں توڑ دیں۔ پوری کہانی میں تین جھٹکے تھے، دو جھٹکے جو بالکل آخر میں تھے، وہ آپ نے مٹا دیے۔ کم از کم مجھے مزہ نہیں آیا۔ پورے سالنامے میں 31 کہانیاں تھیں، تصویریں صرف 10 تھیں جن میں سے ایک سرورق پر تھی۔ دو تصویریں وہ تھیں جو کیمرے کی تھیں۔ باقی صرف سات کہانیوں کے ساتھ تصویریں اور ایک ان میں سے بھی بلیک اینڈ وائٹ تھی۔

سالنامہ بہت اچھا تھا، لیکن جو امید تھی، وہ اس پر پورا نہیں اترا، یعنی تاریخ نے اپنے کو نہیں دہرایا، نہ آپ بیمار ہوئے اور نہ ہی بہترین کی انتہا کا رسالہ نکالا۔ (ف ح۔ کراچی)

☆

اس بار میگزین کی طلسماتی رونقیں دیکھ کر ہماری باچھیں کھل گئیں۔ سرورق پر گاڑی کے مظلوم ٹائروں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس مرتبہ سالنامے میں تحریروں کا بوجھ کچھ زیادہ ہی ہے۔ دورانِ مطالعہ رابیل محمد خان کی ''بے بسی'' اور سارہ الیاس کی ''ٹھوکر'' پر ہم داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ ضرورت سے زیادہ خود اعتماد اور شکی مزاج لوگوں کے لیے یہ تحریریں آئینے کی مانند تھیں۔

ماموں (سرور مجذوب)، کس کا تحفہ (فوزیہ خلیل) گو کہ عام موضوعاتی کہانیاں تھیں، لیکن دونوں کا اسلوب اچھا تھا۔ ہر سال کی طرح اس بار بھی میگزین کے سالانہ ادیب آصف محمود صاحب ایک عدد بہترین کہانی لیے موجود تھے۔ ''ادھار پھانسی'' واقعی منفرد خیال کی بہترین تحریر تھی۔ ''خوشی کے آنسو'' کہانی میں مضمون تھا یا مضمون میں کہانی۔ ہاشین صاحب! موضوع بہترین تھا، لیکن شاید لکھنے میں کہیں بے ربطگی پیدا ہو گئی۔ پروفیسر اسلم بیگ صاحب کو کیا سوجھی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی بچوں سے ''امتحان'' لیے جا رہے ہیں۔ بہت اچھے جناب! کمال کر دیا آپ نے۔ تخیل خوب اور اندازِ تحریر خوب تھا، کمالِ مہارت سے آپ نے سوچ کے صحرا میں قلمی گھوڑا دوڑایا۔

پدری محبت سے مغلوب ہو کر خاص نمبر میں لکھی جانے والی تینوں تحریروں ''بوڑھے کی ڈائری'' (ڈاکٹر فرقان)، ''ماضی کا ایک ورق'' (حافظ عبدالجبار سیال) اور سوچ کا سمندر (اشتیاق احمد) موضوع کے اعتبار سے تینوں لاجواب تھیں لیکن ''سوچ کا سمندر'' میں واقعی ہم بہت دیر تک غوطہ زن رہے ''سوچ کا سمندر مجھے اچھال اچھال کر پٹخ رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میری جیکٹ کی نہ جانے کتنی جیبیں تھیں اور ہر جیب میں نہ جانے ایسی کتنی پرچیاں'' بہت خوب جناب مدیر صاحب! آپ کی اسی تحریر کے ساتھ حضرت علامہ سید انور حسین نفیس رقم المعروف سید نفیس الحسینی شاہ صاحب کی مشہورِ زمانہ نعت پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا۔ حافظ اسامہ! آپ نے ریڈیم اور مادام کیوری پہ اچھا لکھا۔

آصف مجید نے بہت اچھے موضوع پہ قلم چلایا، لیکن مختصر ترین۔ ''ٹافیاں'' ہمیشہ کی طرح ہلکے پھلکے اندازِ تحریر میں یادگار کہانی۔ یقیناً ایسا کارنامہ انیسہ سعدیہ کا قلم دکھاتا ہے، اس مرتبہ انیسہ کے علاوہ نفیسہ سعدیہ کی کھلکھلاتی تحریر بھی تو تھی۔ بہت خوب۔ انھوں نے اگر یہی اسلوب جاری رکھا تو بچوں کا اسلام کی واحد مزاح نگار خاتون بن سکتی ہیں۔

''سبق لکھا گیا'' واہ بلال پاشا! آپ نے کمال تحریر لکھی اور ثابت کیا کہ بدگمانی واقعی جہالت اور خوف کا دوسرا نام ہوتی ہے۔ اے لو جی! یہ اپنے نور الامین بھیا۔ نہیں باز آئے نہ آپ! سفاری پارک کی ''چند یادیں'' پھر سے تازہ کر دیں۔

مختصراً سالنامے میں باقی تحریریں مثلاً ''یہ بیٹیاں'' (محمود اشرف)، میری زندگی کا مقصد (رفعت جبیں)، معاشرے کے تیر (بھائی ف ح صاحب کراچی) نیوز چینل، عدالت بچوں کا اسلام کی اور حافظ عبدالرزاق صاحب کی ''چاچا ہٹلر'' خوب تھیں، حافظ صاحب! عنوان میں چاچا اور تحریر کے اندر چچی؟ چلیے یہ بھی آپ کی طرف سے مزاح میں ایک کوشش سہی۔ ویسے سالنامے میں مزاح کی کمی محسوس ہوئی اور اپنا وہ مسکراہٹ کے پھول۔ ہاہا! کبھی کبھی تو انھیں پڑھ کے دل افسردہ ہو جاتا ہے۔ بعض لطائف پڑھ کر تو باقاعدہ آنسو بھی ٹپک پڑتے ہوں گے۔ آخر میں ہانیہ محبوب کی ننھی منھی سی تحریر کے لیے کہ ہانیہ بہت خوب! دوسروں کو نقصان پہنچائے بغیر ان سے حسد کیے بغیر۔ آگے نکلنے کا ہنر۔ بہت اچھا سبق تھا اس میں۔ کسی بھی سالنامے سے زیادہ تحریروں سے مزین

حالیہ سالنامے نے دل پہ خوش گوار اثرات چھوڑے۔ اللہ سب کی محنت قبول فرمائے۔ آمین! (ضیاء اللہ محسن۔ ساہیوال)

☆

گیارہویں سالنامے کے سرورق کو دیکھ کر پہلی بار محسوس ہوا کہ یہ بچوں کا رسالہ ہے۔ اثر جون پوری صاحب کی نظم بتا رہی تھی کہ ان کی پپ، پسلی ٹوٹ گئی ہے۔ ''ماموں''، ''خاموش ہتھیار'' اور ''سوچ کا سمندر'' ایک ہی قلم کے شاہکار محسوس ہوئے۔ ہاشمین صاحب اور رفعت جبیں صاحبہ نے ان لوگوں کو ہوش میں لانے کی زبردست کوشش کی جو ڈاکٹر بن جانے کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سارہ الیاس صاحبہ کی تحریر سے پتا چلا کہ عورتیں بھی اچھی ''ٹھوکر'' مار لیتی ہیں۔ ضیاء اللہ محسن اور شاہد فاروق صاحب روایتی انداز میں نظر آئے۔ ''ٹافیاں'' اور ''ماضی کا ایک ورق'' حقوق العباد کی اہمیت اجاگر کرنے میں کامیاب رہیں۔ اجتماعی طور پر سارے شمارے میں ''مار پیٹ'' کا خوب تذکرہ تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ''نیلا قالین'' اور ''ہٹلر چچی'' کی ابتداء ہی ''تڑاخ'' سے ہو رہی تھی، نورالامین صاحب کی یادوں نے ہمیں اس مطالبے پر مجبور کر ڈالا کہ آئندہ سال بھی ایسا پروگرام ضرور ترتیب دینا چاہیے۔ کمپوزنگ کی سب سے زیادہ غلطیاں ''آنسوؤں کے سائے تلے'' میں تھیں۔ بہرحال 14 ماہ کے بعد آنے والا یہ سالنامہ 2 اہم اور 27 عام خطوط، 16 کہانیوں، 13 لطیفوں، 6 عدد چھوٹے موٹے مضمونوں، جا بجا بکھرے مختصر واقعوں، ایک عدد سائنسی مضمون، ایک عدد منفرد انٹرویو، ایک عدد تجزیاتی رپورٹ، ایک عدد بے باک اور بے لاگ نیوز چینل، ایک لوہاری، 2 خیراتی، 3 خوراکی، 3 کتابوں اور 4 تعلیمی اشتہاروں سمیت خوب رہا۔ کئی کہانیوں میں ''سکتے'' بھی طاری ہوئے۔ بندے کے خیال میں اس شمارے کا کمزور پہلو صرف یہ تھا کہ 3 کہانیوں کا مرکزی خیال ایک ہی تھا، جنھیں پڑھ کر محسوس ہوتا تھا کہ یہ شمارہ ''والد نمبر'' ہے۔ یہ کہانیاں تھیں تو بہت عمدہ، لیکن انھیں ایک ہی شمارے میں شائع نہیں کرنا چاہیے تھا اور ہاں میں تو بھول ہی گیا کہ اس شمارے کی سب سے اچھی کہانی ''اُدھار پھانسی'' تھی۔ کیوں اشتیاق بھائی! کیسا رہا تبصرہ!

(حافظ عبدالرزاق۔ ڈیرہ اسماعیل خان)

☆

آخر گیارھویں سالنامے نے بڑے طویل انتظار کے بعد اپنا دیدار کروا ہی دیا۔ اب آتے ہیں تحریروں کی طرف۔ ویسے تو سب کہانیاں اور تحریریں ہی بہت پراثر اور سبق آموز تھیں، لیکن جن کہانیوں نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا اور میری نظر میں پہلے نمبر پر ٹھہریں وہ ہیں، ماموں (سرور مجذوب)، سوچ کا سمندر اشتیاق احمد، ادھار پھانسی، آصف محمود، میری زندگی کا مقصد رفعت جبیں، آخری وارف ک انصاری دوسرے نمبر پر خوشی کے آنسو، آنسوؤں کے سائے تلے، پانی کا بلبلہ چند یادیں معاشرے کے تیر ٹھوکر، ٹافیاں تیسرے نمبر پر، سبق سکھا گیا، کس کا تحفہ، نیلا قالین، یہ بیٹیاں، بے بسی، ماضی کا ایک ورق، بے بسی میں پانچ منٹ اور ایک گھنٹے میں فرق کا پتا نہ چلنا کچھ عجیب سا لگا۔ بہرحال تمام تحریریں ہمارے دل و دماغ پر نفیس نقش و نگار چھوڑ گئیں۔ نئے لکھنے والوں نے بھی بہت اچھی کوششیں کیں۔ نفیسہ سعدیہ کی چٹ پٹی تحریر پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ انھوں نے تو ہمارا بھی حوصلہ بڑھا دیا۔ واقعی کہانیاں لکھنے والے اسی زمین کے تو تارے ہیں، وہ لکھ سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں۔ نفیسہ بہن پیارے رسالے کا حال اور مستقبل سنوارنے کے لیے جلد تشریف آوری یقینی بنائیں۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ (ہمتِ مرداں مددِ خدا) دو باتیں، واقعات صحابہ کے اور سلسلہ وار ناول تو ہیں ہی دلچسپ اور قابلِ تعریف۔ اس دفعہ تو نیوز چینل بھی بہت اچھا لگا، ورنہ پہلے تو ہم اسے بور اور فضول تحریر خیال کرتے تھے۔ اب پتا نہیں، اس دفعہ واقعی دلچسپ تھا یا ہم نے ہی اسے توجہ اور دلچسپی سے پہلی دفعہ پڑھا۔ اثر جون پوری کی نظم پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ بب بب بچوں کا اسلام کے لیے مم منفرد نظم لکھ ماری۔

(نائلہ ضیا۔ خان پور)

MEEZAN® Herbal

میزان 24

خالص قدرتی اور غذائی اجزاء کا ایسا مرکب جو 24 بیماریوں میں حفاظت کرتا ہے

خون کی کمی | نیند کی کمی | بھوک کی کمی
سانس کی تنگی | آنتوں کی خشکی | قوت مدافعت کی کمی
کمزور ہڈیاں | کمزور بینائی | کمزور جسم
کمزور حافظہ | جوڑوں کا درد | معدہ کا درد
دائمی قبض | شریانوں کا سکڑ جانا | پچکے گال
سوزش جگر | پیشاب کی رکاوٹ | دماغی و اعصابی کمزوری
بھینگا پن | بلڈ پریشر | شوگر
گیس/اپھارہ | جلد تھکاوٹ کا احساس

مولانا ابراہیم، کراچی: 0321-2682667 ثاقب کلینک، لکی مروت: 0301-8084850
حکیم ریاض، ٹیکسلا: 0322-6679957 عمیر، ہارون آباد: 0321-7584846
میرپور خاص، سندھ: 0307-2100345 ڈاکٹر رحمت، حسن ابدال: 0333-5179523
منیر، رحیم یار خان: 0342-7323604 بہاری پنسار، تونسہ: 0333-6588040
مرحبا پنسار، نوکوٹ سندھ: 0300-3119312 فخریہ شمسیہ دواخانہ، ملتان: 0300-7382825

سیمپل مفت شوگر کے مریض شوگر فری طلب کریں قیمت 850 روپے

قریبی ہومیو، ہربل سٹور اور کتب خانہ سے طلب کریں نہ ملنے کی صورت میں رابطہ کریں 0312-1624556

# مصر کا ویزہ

مولانا محمد ہاشم عارف۔ کراچی

"ہیلو! ہاشم صاحب بات کر رہے ہیں۔"

"جی! ہاشم بات کر رہا ہوں۔"

"میں یونیورسل ٹریولز سے بات کر رہا ہوں۔ آپ نے مصر کے ویزے کے لیے پاسپورٹ جمع کرائے تھے۔"

"جی جی انکل!" امید و بیم کے ملے جلے جذبات دل میں ابھرنے لگے۔

"جناب! معذرت کے ساتھ آپ کا پاسپورٹ مسترد ہو گیا ہے۔"

"کیا! اب کیا ہو سکتا ہے؟ کوئی اور طریقہ یا راستہ؟"

"جناب! اب کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ ہم نے کوشش کر کے پاسپورٹ کو مسترد کی مہر لگنے سے بچالیا ہے۔ اگر مہر لگ جاتی تو آیندہ کبھی بھی مصر کا ویزہ نہیں لگ سکتا تھا۔"

میں نے تھوک نگل کر اپنے خشک ہوتے ہوئے گلے کو تر کیا اور کہا:

"تو کیا میں اپنا پاسپورٹ واپس لے جاؤں۔"

"بالکل واپس لے جائیں اور اگر دوبارہ اپلائی کرنا ہو تو چھ آٹھ ماہ بعد اپلائی کریں۔"

"اچھا ٹھیک ہے!" میں نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

یہ تقریباً تین سے چار سال پہلے کا واقعہ ہے۔ مصر کا ویزہ نہ ملنے کے بعد میں نے شام اور اردن کے لیے اپنی اہلیہ سمیت درخواست جمع کروائی۔ وہ بڑی مشکل سے بہت دھکے کھانے کے بعد بالآخر منظور ہو ہی گئی اور پھر ہم مصر کے بجائے شام اور اردن روانہ ہو گئے۔ اس کی بھی بڑی دلچسپ داستان ہے۔ اپریل 2013 کو جب مدرسے کی سالانہ چھٹیاں قریب آ رہی تھیں تو دوبارہ مصر کی یاد ستانے لگی۔ ان تین چار سالوں میں مصر میں تاریخی انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ حسنی مبارک کی جگہ اسلام پسند جماعت اخوان المسلمین کے حمایت یافتہ جناب صدر مرسی صاحب کرسی صدارت پر براجمان ہو چکے تھے۔ مصر پہلے کی طرح اب سیکولر نہیں رہا تھا۔ صدر مرسی صاحب کے آنے کے بعد مسلمانان مصر بہت پر امید تھے کہ اب ہم مصر میں اسلام کے مطابق اپنی زندگیاں گزار سکیں گے۔ اب ڈاڑھی والوں کو شک کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا۔ غزہ کی پٹی میں محصور فلسطینی بھائیوں کے چہروں پر بھی خوشی اور اطمینان کی کیفیت تھی۔ ترکی کے بعد مصر میں بھی اسلام پسندوں کی جیت نے مسلمانان عالم میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ جہاں ایک طرف خوشی کے شادیانے تھے، وہاں دوسری طرف غم کے تازیانے بھی تھے۔ مغربی اقوام کی زبانوں پہ تالے لگ گئے تھے۔ جمہوریت کا عالمی چیمپئن امریکہ دم سادھے بیٹھا تھا۔ یورپی ممالک کے لیے مصر کی اسلامی جمہوریت گلے کی ہڈی بن چکی تھی، چنانچہ سازشوں کے تانے بانے بنے جانے لگے۔ شیطان کے چیلے منصوبے بنانے لگے۔ ظلم کی گھٹائیں اپنے پر پھیلانے لگیں۔ قوم کے غداروں پہ ڈالروں کی برسات ہونے لگی۔ دوسری طرف بھولے بھالے مسلمان ان چیزوں سے بے خبر مصری عوام کی فلاح و بہبود میں مشغول تھے۔ اسلامی قوانین کو مصری آئین کا حصہ بنانے کی کوششیں کرنے لگے۔ حاکم عوام کے خادم بن کر خدمت کرنے لگے، لیکن دنیا نے دیکھا کہ کتنی آسانی سے صرف دو سے تین دن کے اندر چند ہزار مظاہرین کے احتجاج پر کروڑوں مصریوں کے منتخب صدر کو برطرف کر دیا گیا۔ پھر ظلم و بربریت کی وہ داستانیں رقم ہوئیں جن کو دیکھ کر ہلاکو خان اور چنگیز خان کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ اخوان المسلمین کے مظاہرے اور کوششیں جاری ہیں۔ اللہ ان کی مدد فرمائے۔

اپریل 2013 یہ صدر مرسی کا دور تھا۔ مصر نسبتاً پر سکون تھا۔ سیاحوں کو ویزے جاری کیے جا رہے تھے۔ موسم بھی مناسب تھا۔ شام اور اردن سے واپسی پر میرے ماموں زاد عمر نے مجھ سے کہا تھا کہ آیندہ ایسا کبھی سفر درپیش ہو تو مجھے بھی ساتھ لے چلنا، لہٰذا جب میں نے عمر سے رابطہ کیا۔

"عمر! مصر اور ترکی جانے کا ارادہ ہے! تم ساتھ چلو گے؟"

"ہاں ہاں! ابا انکل!"

"ٹھیک ہے پھر اپنا پاسپورٹ اور چار تصویریں مجھے دے دو۔"

"ٹھیک ہے!" عمر نے کہا۔

اپنا اور عمر کا پاسپورٹ مع دیگر دستاویز لے کر میں اپنے ٹریول ایجنٹ بھائی عبدالعلیم کے پاس پہنچا۔

تفصیلات بتاتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ مصر کا ویزہ ایک ہفتے میں جب کہ ترکی کے ویزے کے لیے بیس دن درکار ہوں گے، چنانچہ کچھ دن بڑھا کر مصر کے ویزے کے لیے پندرہ دن اور ترکی کے ویزے کے لیے پچیس دن رکھ کر پینتالیس دن بعد کے ٹکٹ بک کروا لیے کہ آگے جون جولائی چھٹیوں کا سیزن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ٹکٹ نہ ملیں۔

مصر کے ساتھ ترکی کو شامل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ترکی دنیا بھر میں موجود مقدس مقامات والے ممالک کی میری فہرست میں شامل تھا۔ دوسرا ایک ہی ائرلائن سے دو ممالک کے ٹکٹ میں خاصی بچت ہو جاتی ہے اسی طرح ہم نے شام اور اردن کا سفر کیا تھا۔ یعنی ایک تیر سے دو شکار، لیکن ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

پاسپورٹ جمع کروانے کے دس دن بعد میں نے ٹریول ایجنٹ سے رابطہ کیا تو جواب موصول ہوا کہ ابھی پاسپورٹ ایمبیسی ہی میں ہے۔ ایک آدھ دن میں آ جائے گا۔ میں نے احتیاطاً پانچ دن بعد فون کیا تو دوبارہ یہی جواب ملا۔ مصر کے لیے رکھی گئی ہماری مدت پوری ہو چکی تھی۔ میں نے فرمائش کی کہ جناب پھر ترکی کے لیے مشکل ہو جائے گی تو انھوں نے کہا۔

"ایمبیسی والوں کے آگے ہم بے بس ہوتے ہیں جب ان کی مرضی ہوگی، اس وقت وہ ویزہ لگائیں گے۔"

مجھے اپنا پچھلا وقت آ گیا جب مصری ایمبیسی نے پاسپورٹ رد کر دیے تھے، لہٰذا میں نے بھی خاموشی ہی میں عافیت سمجھی۔

پندرہ دن کے بعد بیس دن پھر پچیس دن تیس دن لیکن ویزہ لگ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ دوسری طرف عمر بھی پریشان کہ کیا ہوگا۔ ابھی تو پہلے ہی ملک میں اتنا ٹائم لگ گیا۔ ترکی کا ویزہ کیسے لیں گے۔ سفر کی تیاری بھی کریں یا نہ کریں، فلائٹ کے دن بھی قریب آ گئے ہیں۔ تو میں نے عمر سے کہا۔

"ایسا کیوں نہ کریں کہ یہ ٹکٹ کینسل کروا دیتے ہیں، پھر رمضان کے بعد چلے جاتے ہیں۔"

"نہیں! رمضان کے بعد میں نہیں جا سکوں گا، کیونکہ میرے بھائی کی شادی ہے۔"

"اوہ ہاں! رمضان کے بعد تو احمد کی شادی ہے۔"

میں سوچنے لگا کہ کوئی دوسرا رفیقِ سفر ملنا مشکل ہے اور پھر جتنی ذہنی ہم آہنگی عمر سے ہے، وہ کسی اور سے مشکل ہے، لہٰذا تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو۔ یہ عمل کرنے لگا۔ ابتداء میں استخارہ کیا تھا۔ ہو سکتا ہے اسی میں بہتری ہو۔ بعد میں پیش آنے والے حالات سے اندازہ ہوا کہ اچھا ہوا فوراً چلے گئے۔ رمضان تک مؤخر نہیں کیا، ورنہ شاید دوبارہ مصر نہ جا سکتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنے لگا۔ صلوٰۃ الحاجات بھی ادا کرنے لگا۔ تقریباً بیالیسویں دن ٹریول ایجنٹ نے خوش خبری سنائی کہ مصری ایمبیسی سے پاسپورٹ ویزہ لگ کر آ چکا ہے۔ یہ سن کر اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ مصر کا ویزہ لگ چکا ہے۔ بہرحال بہت خوشی ہوئی۔ دو رکعت شکرانے کے ادا کیے اور تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ 17 جون صبح ساڑھے چار بجے فلائٹ تھی۔ براستہ دبئی مصر کے دارالحکومت قاہرہ کے انٹرنیشنل ائرپورٹ پہنچنا تھا۔ (آپ بھی انتظار فرمائیے)